انوار احمدی

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ

انوارِ احمدی

عبدہٗ

تصنیف

شیخ الاسلام حضرت علامہ انوار اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ

صدر الصدور، حیدر آباد دکن

تلخیص و تبصرہ

حضرت علامہ ارشد القادری

ناشر

فرید بک سٹال 38۔ اردو بازار لاہور

marfat.com

بانیِ ادارہ

جناب محترم سیّد اعجاز احمد رحمہ اللہ تعالےٰ

متوفی ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ ، ۵ ستمبر ۱۹۹۸ء

نام کتاب ——— انوارِ احمدی

تصنیف ——— شیخ الاسلام حضرت علّامہ انوار اللہ صاحب

تلخیص و تبصرہ ——— حضرت علامہ ارشد القادری

پروف ریڈنگ ——— مولانا محمد ابراہیم فیضی

کتابت ——— دارالکتابت حضرت کیلیانوالہ (گوجرانوالہ)

ناشر ——— فرید بک سٹال لاہور

تعداد ——— ایک ہزار

قیمت ——— ۴۸/- روپے

marfat.com

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
تسہیل: علامہ ارشد القادری صاحب	۹
پیش لفظ	۱۳
کتاب کی خصوصیات	۱۴
حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی کی تقریظ	۱۵
اقتباسات	۱۷
پہلا اقتباس	۱۷
دوسرا اقتباس	۱۸
تیسرا اقتباس	۱۸
چوتھا اقتباس	۱۹
پانچواں اقتباس	۲۰
چھٹا اقتباس	۲۱
ساتواں اقتباس	۲۱
آٹھواں اقتباس	۲۱
نواں اقتباس	۲۲
دسواں اقتباس	۲۳
گیارھواں اقتباس	۲۴
بارھواں اقتباس	۲۵
تیرھواں اقتباس	۲۵
چودھواں اقتباس	۲۶
پندرھواں اقتباس	۲۸
سولھواں اقتباس	۲۸
سترھواں اقتباس	۲۹
اقتباسات کے ذیل میں قابل غور نکتے	۳۰
کتاب کے بارے میں چند معروضات	۳۱
کتاب کی تلخیص وتسہیل میں میرے قلم کے ناگزیر تصرفات کے	۳۴
انوار احمدی کا سبب تالیف	۳۶
اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا موقف	۳۹
سیر گلستان عقیدت	۳۹
سوانح حیات حضرت فاضل مصنف	۴۵
جامعہ نظامیہ کی بنیاد	۴۵
سلاطین دکن کی تعلیم وتربیت	۴۵
تعلیم سلوک اور بلاد اسلامیہ کا سفر	۴۶
دائرۃ المعارف کا قیام	۴۶
شیخ الاسلام کی تصنیفات	۴۷
وصال شریف	۴۷
حضرت کے معمولات	۴۸

marfat.com

نعت گوئی بھی زبان وقلم کا ایک جہاد ہے	۵۰
پہلی حدیث	۵۰
دوسری حدیث	۵۰
تیسری حدیث	۵۱
حضور ہی کے وجود سے سارے عالم کا وجود ہے۔	۵۲
پہلی حدیث	۵۲
دوسری حدیث	۵۳
تیسری حدیث	۵۴
فائدہ	۵۴
چوتھی حدیث	۵۴
پانچویں حدیث	۵۵
ایک شبہ کا ازالہ	۵۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے	۵۶
پہلی دلیل	۵۶
دوسری دلیل	۵۷
فائدہ	۵۷
تیسری دلیل	۵۸
فائدہ	۵۸
چوتھی دلیل	۵۸
پانچویں دلیل	۵۹
فائدہ	۵۹
چھٹی دلیل	۶۰
فائدہ	۶۰
ساتویں دلیل	۶۰
فائدہ	۶۲
آٹھویں دلیل	۶۲
عہد صحابہ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ	۶۲
فائدہ	۶۳
جلالت شان مصطفےٰ کے رنگا رنگ جلوے	۶۳
عقیدۂ ختم نبوت پر ایک فکر انگیز بحث	۶۶
پہلی تنبیہ	۶۸
دوسری تنبیہ	۶۸
تیسری تنبیہ	۶۸
چوتھی تنبیہ	۶۹
پانچویں تنبیہ	۷۰
چھٹی تنبیہ	۷۱
درود وسلام کی نورانی بحث	۷۲
درود شریف کے اہتمام کی ضرورت	۷۳
فضائل درود شریف پر دو ایمان افروز حدیثیں	۷۴
پہلی حدیث	۷۴
فائدہ	۷۴
دوسری حدیث	۷۵

marfat.com

سونے کا قلم چاندی کی دوات، اور نور کا کاغذ	۷۵
درود شریف کا ایک رقت انگیز واقعہ	۷۶
حضور کے دربار میں درود شریف کس طرح پہنچتا ہے؟	۷۷
پہلا طریقہ	۷۷
دوسرا طریقہ	۷۸
تیسرا طریقہ	۸۰
سماعت نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال	۸۰
ایک شبہ کا نہایت نفیس جواب	۸۱
پہلی حدیث	۸۲
دوسری حدیث	۸۳
صلوٰۃ کے معنی کے تعین میں ایک شاندار علمی بحث	۸۵
پہلا معنیٰ	۸۵
دوسرا معنیٰ	۸۶
تیسرا معنی	۸۶
پہلی دلیل	۸۷
دوسری دلیل	۸۷
تیسری دلیل	۸۷
چوتھی دلیل	۸۸
پانچویں دلیل	۸۸
چوتھا معنیٰ	۸۸
ایک ایمان افروز حدیث	۸۹
فیصلہ کن بات	۹۰
ایک بصیرت افروز نکتہ	۹۱
امام ابو منصور ماتریدی کے علمی نکتہ سے استفادہ	۹۲
حضور کی غیبی قوت ادراک کی پہلی دلیل	۹۳
حضور کی غیبی قوت ادراک کی دوسری دلیل	۹۴
حضور کی غیبی قوت ادراک کی تیسری دلیل	۹۴
امام سیوطی کی روایت کردہ ایک حدیث	۹۵
حضور کی غیبی قوت ادراک کی چوتھی دلیل	۹۵
حضور کی غیبی قوت ادراک کی پانچویں دلیل	۹۷
آیت کریمہ کے نکات	۹۸
پہلا نکتہ	۹۸
دوسرا نکتہ	۱۰۰
تیسرا نکتہ	۱۰۱
چوتھا نکتہ	۱۰۲
درود بھیجنے کے مواقع	۱۰۳
پہلی حدیث	۱۰۳
دوسری حدیث	۱۰۳
تیسری حدیث	۱۰۴
چوتھی حدیث	۱۰۴
پانچویں حدیث	۱۰۵
چھٹی حدیث	۱۰۵

marfat.com

ساتویں حدیث	۱۰۵	قیام تعظیمی کی بحث	۱۲۳
آٹھویں حدیث	۱۰۶	قیام تعظیمی کی پہلی دلیل	۱۲۳
چند مقامات کی اور نشاندہی امام سخاوی		قیام تعظیمی کی دوسری دلیل	۱۲۴
کے قلم سے	۱۰۶	قیام تعظیمی کی تیسری دلیل	۱۲۵
حاصل بحث	۱۰۷	قیام تعظیمی کی چوتھی دلیل	۱۲۵
فاضل مصنف کی ایک عبرت آموز نصیحت	۱۰۷	قیام تعظیمی کی پانچویں دلیل	۱۲۶
سلام کی بحث	۱۰۸	قیام تعظیمی کی چھٹی دلیل	۱۲۷
پہلا نکتہ	۱۰۸	قیام تعظیمی کی ساتویں دلیل	۱۲۷
دوسرا نکتہ	۱۱۰	قیام تعظیمی کی آٹھویں دلیل	۱۲۸
تیسرا نکتہ	۱۱۱	قیام تعظیمی کی نویں دلیل	۱۲۸
سلام کی اہمیت پر دلائل کے انبار	۱۱۲	قیام تعظیمی کی دسویں دلیل	۱۲۹
پہلی دلیل	۱۱۲	فاضل مصنف کی ایک ایمان افروز عبارت	۱۳۰
دوسری دلیل	۱۱۴	قرآن میں منصب رسالت کی تعظیم کا حکم	۱۳۰
تیسری دلیل	۱۱۵	پہلی آیت	۱۳۱
چوتھی دلیل	۱۱۵	دوسری آیت	۱۳۲
پانچویں دلیل	۱۱۶	تیسری آیت	۱۳۳
ایک شبہ اور اس کا جواب	۱۱۷	تشریح	۱۳۴
اس دعوے کے ثبوت میں تین وجہیں	۱۱۹	چوتھی آیت کریمہ	۱۳۶
پہلی وجہ	۱۱۹	تشریح	۱۳۶
دوسری وجہ	۱۲۹	پانچویں آیت	۱۳۸
تیسری وجہ	۱۲۰	تشریح	۱۳۸
ایک لطیف طنز	۱۲۰	چھٹی آیت	۱۴۱
خلاصۂ بحث	۱۲۱	تشریح	۱۴۱
ایک اعتراض اور اس کا روح پرور جواب	۱۲۲	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۱۴۱

marfat.com

ساتویں آیت	۱۴۵
تشریح	۱۴۵
آٹھویں آیت	۱۴۷
تشریح	۱۴۸
تعظیم وآدب کے سلسلے میں حضور پاک کی عملی تعلیمات	۱۴۹
پہلی حدیث	۱۴۹
دوسری حدیث	۱۵۰
تیسری حدیث	۱۵۱
چوتھی حدیث	۱۵۲
بارگاہِ رسالت میں صحابۂ کرام اور اکابر امت کے شیوہائے ادب	۱۵۵
عام صحابہ کا شیوۂ ادب	۱۵۶
جانوروں کا شیوۂ ادب	۱۵۷
حضرت عمر فاروق کا شیوۂ ادب	۱۵۹
حضرت ابوبکر صدیق کا شیوۂ ادب	۱۶۱
حضرت علی مرتضیٰ کا شیوۂ ادب	۱۶۲
حضرت عثمان غنی کا شیوۂ ادب	۱۶۴
حضرت عمر فاروق کا شیوۂ ادب	۱۶۷
حضرت ابوبکر صدیق کا شیوۂ ادب	۱۶۸
ایک ہی شیوۂ ادب متعدد صحابہ کا	۱۶۹
حضرت ابوہریرہ کا شیوۂ ادب	۱۷۰
عام صحابۂ کرام کا شیوۂ ادب	۱۷۲
حضرت اسلم بن شریک کا شیوۂ ادب	۱۷۳
حضرت براء بن عازب کا شیوۂ ادب	۱۷۴
حضرت امام مالک کا شیوۂ ادب	۱۷۶
حضرت امام شافعی کا شیوۂ ادب	۱۷۹
حضرت ابوایوب کا شیوۂ ادب	۱۸۰
نام مبارک کی تعظیم کا حکم	۱۸۱
پہلی حدیث	۱۸۱
دوسری حدیث	۱۸۱
تیسری حدیث	۱۸۱
چوتھی حدیث	۱۸۲
پانچویں حدیث	۱۸۲
تعظیم نام محمد کا ایک ایمان افروز واقعہ	۱۸۲
نام پاک سن کر انگوٹھا چومنے کی بحث	۱۸۴
تاریخ فتنہ وہابیت	۱۸۸
بانی فرقۂ وہابیہ کے مظالم	۱۹۲
ایک انتہائی عبرتناک واقعہ	۱۹۴
اس واقعہ پر فاضل مصنف کا تبصرہ	۱۹۵
ہندوستان میں وہابی فرقے کی نشاندہی	۱۹۶
پہلا اقراری بیان	۱۹۶
دوسرا اقراری بیان	۱۹۶
تیسرا اقراری بیان	۱۹۷
چوتھا اقراری بیان	۱۹۸
۶	

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انوار احمدی

تسہیل : علامہ ارشد القادری صاحب

مبلغِ اسلام حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہٗ العالی عالم اسلام کی جانی پہچانی علمی شخصیت ہیں۔ پاک و ہند اور بیرونی دنیا میں مسلک اہلِ سنت جماعت کی انہوں نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ چند سال قبل دارالعلوم امجدیہ (کراچی) میں اُن سے پہلی بار شرف نیاز حاصل ہوا جب کہ وہ اہلِ سنت کی ایک تبلیغی جماعت کا لائحہ عمل تیار فرما رہے تھے۔

پیشِ نظر کتاب علامہ ارشد القادری کی مساعی جمیلہ کے طویل سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے ـــــ تقریباً ۱۹۸۰ء میں حضرت علامہ، حیدر آباد دکن تشریف لے گئے، وہاں فاضل جلیل مولانا محمد انوار اللہ حیدر آبادی علیہ الرحمہ ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء کی تصنیف لطیف انوار احمدی ملاحظہ فرمائی جو ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء میں مکہ معظمہ کے قیام کے دوران لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں عقائد اہل سنت کو بڑے معقول اور دل پذیر انداز میں بیان کیا گیا ہے ـــــ

حضرت مولانا محمد انوار اللہ حیدر آبادی جنوبی ہند کی معروف علمی شخصیت ہیں۔ وہ جامعہ نظامیہ (حیدر آباد دکن)، دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ کے بانی تھے اور اکابر دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا مولوی اشرف علی تھانوی کے شیخ طریقت حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل تھے ـــــ اس کتاب پر حضرت مہاجر مکی نے تقریظ لکھی ہے جس میں وہ مولانا محمد انوار اللہ حیدر آبادی کو ان القاب سے یاد فرماتے ہیں۔

> حضرت علامہ زماں، فرید دوراں، عالم با عمل، فاضل بے بدل، جامع علوم ظاہری و باطنی، عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی چشتی الخ
>
> (انوار احمدی، مطبوعۂ دہلی، ص ۹)

marfat.com

اور کتاب انوار احمدی کے مندرجات کے لیے تحریر فرماتے ہیں:

اس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیق محققانہ میں تائید ربانی پائی گئی۔

(انوار احمدی، دہلی، ص ۹)

وہ مسائل کیا ہیں جو اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں؟

۱۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی
۲۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ ایجاد عالم ہیں
۳۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے
۴۔ عقیدۂ ختم نبوت
۵۔ درود و سلام اور فضائل درود
۶۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی قوتِ ادراک
۷۔ قیام تعظیمی
۸۔ منصب رسالت کی تعظیم و تکریم
۹۔ دربار رسالت میں ادب و احترام
۱۰۔ وسیلہ
۱۱۔ انگوٹھے چومنا
۱۲۔ تاریخ فتنۂ وہابیت۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سارے مسائل بنظر غائر ملاحظہ فرمائے اور پھر تصدیق کرتے ہوئے یہ تاریخی کلمات تحریر فرمائے:

انما ھذا مذھبی وعلیہ مدار مشربی

یہی میرا مذہب ہے اور اسی پر میرے مشرب و مسلک کا دارومدار ہے۔

(انوار احمدی، دہلی، ص ۹)

فاضل جلیل مولانا محمد انوار اللہ حیدر آبادی کا انداز تعلیم و تفہیم بڑا ہی دل پذیر ہے۔ وہ اپنی بات کو اس طرح سمجھاتے ہیں کہ دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ ایسے فاضل کی تصنیف کی تسہیل و تلخیص کے لیے علامہ ارشد القادری جیسے فاضل کی ضرورت تھی سو بحمد اللہ یہ اہم کام اُن کی قلم سے انجام پایا ـــــ حضرت علامہ نے جو انداز اختیار فرمایا ہے وہ دورِ جدید کے قاری کی ضرورت اور مزاج کے مطابق ہے۔ انھوں نے ایک شمع جلائی ہے اہلِ سنت کے دوسرے قلمکار اس شمع سے اپنی اپنی شمعیں جلائیں اور مسلک کی خدمت کریں ـــــ

اس کتاب میں فاضل مرتب علامہ ارشد القادری نے دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ اکابر دیوبند کے مخدوم و پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ

marfat.com

نے انوارِ احمدی میں بیان کردہ جن عقائد و افکار پر صاد فرمایا ہے وہ بعینہٖ وہی ہیں جو اپنی تصانیف میں امام احمد رضا خاں بریلوی نے پیش فرمائے ہیں پھر اختلاف کس بات پر ہے اور خواہ مخواہ ضد بحث سے ملتِ اسلامیہ کو تفرقہ میں کیوں مبتلا کیا جا رہا ہے؟
— فاضل مرتب کا یہ جذبۂ اتحاد بین المسلمین قابلِ ستائش ہے۔ ہم اسلام کے درسِ محبت و اخوت سے بہت دُور جا رہے ہیں اور اسلام ہمیں اتحاد و یگانگت کی طرف بُلا رہا ہے — آیئے اُس کی آواز پر لبیک کہیں، خار دار جھاڑیوں سے دامن چھڑائیں، پھولدار روشوں پر چلتے چلے جائیں جو سلف صالحین نے سجائی ہیں۔ اور سورۂ فاتحہ میں جس کے جلوے دکھائے گئے ہیں — مرتب علام حضرت علامہ ارشد القادری نے سلف صالحین کی راہوں کو اجاگر کرنے کے لیے انوارِ احمدی سے اہم اقتباسات نقل فرمائے ہیں تاکہ مسلک اہلِ سنت کی حقانیت ثابت ہو اور دن بدن جو تفرقہ بڑھتا جاتا ہے جلد از جلد ختم ہو — اہلِ سنت کا ایک طبقہ امام احمد رضا کا پیرو ہے دوسرا جو خود کو اہلِ سنت کہتا ہے، مسلک دیوبند سے متعلق ہے — ایک خود کو 'بریلوی' کہتا ہے، دوسرا خود کو 'دیوبندی' حالاں کہ ایک صدی قبل یہ تقسیم نہ تھی، سب اہلِ سنت تھے چنانچہ اب بھی تیسرا طبقہ وہ ہے جو خود کو صرف اہلِ سنت کہتا ہے۔
حضرت علامہ ارشد القادری نے عقائد و افکار کے اصل چہرے سے نقاب اُٹھایا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ جو خود کو بریلوی نہیں کہتا وہ بھی حقیقت میں انھیں عقائد و افکار کا پیرو ہے جو امام احمد رضا اور دوسرے بہت سے اکابر اہلِ سنت نے پیش کیے ہیں۔
اس لیے کیوں نہ ہم مل بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے حقائق کا جائزہ لیں، اپنے عقائد و افکار کی اصلاح کر کے ایک لگی میں ضم ہو جائیں — اور اُن سے الگ ہو جائیں جن کا سلسلۂ فکر ابلیس لعین اور ذوالخویصرہ جیسے گستاخوں سے ملتا ہے — فاضل مصنف مولانا محمد انوار اللہ علیہ الرحمہ نے انوارِ احمدی کے آخر میں گستاخوں کی تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے، اس کو غور سے پڑھنا چاہیئے پھر غور و فکر کرنا چاہیئے، ہم کون ہیں، ہم کہاں جا رہے ہیں، ہم کو کس طرف جانا چاہیئے؟ — ہم کو کیا ہونا چاہیئے؟

marfat.com

مولیٰ تعالیٰ فاضل مصنف علامہ محمد انوار اللہ حیدر آبادی اور فاضل مرتب علامہ ارشد القادری کی ان مساعی جمیلہ کو مقبول و مشکور فرمائے اور ملتِ اسلامیہ میں انقلاب فکر و خیال کی راہ ہموار فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وازواجہٖ واصحابہٖ وسلم۔

۷ر شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

۲۲ر اپریل ۱۹۹۱ء

احقر: محمد مسعود

۲/۴-سی، پی۔ای۔سی۔ایچ سوسائٹی

کراچی (سندھ، پاکستان)

marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ ہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ وَنَبِیِّہٖ ہ وَ
عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمُحِبِّیْہِ وَحِزْبِہٖ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ ہ

پیش لفظ

از : رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری

حیدر آباد کا ایک مبارک سفر

آج سے تقریباً آٹھ نو سال پہلے مکّہ مسجد حیدر آباد میں شہر کی مختلف تنظیموں کی طرف سے ایک پنج روزہ تبلیغی پروگرام رکھا گیا تھا جس میں ملک کے مختلف مشاہیر علمائے اہلِ سُنّت کے ساتھ دو دن کے لیے میں بھی مدعو تھا۔ اجلاس میں عاشقانِ رسول کا بے پناہ اژدہام اور ان کا مذہبی جوش و خروش دیکھ کر میری مسرتوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ تقریروں کے دوران مجمع میں جذبات کے تلاطم کا عجیب عالم تھا۔ اُس دن میں نے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکارِ کونین کے ذکرِ جمیل سے سوکھی ہوئی رگوں میں کس طرح زندگی کی لہر دوڑتی ہے۔ اور پتے ہوئے الفاظ کی ضرب سے کس طرح غفلتوں کا نشہ اترتا ہے کتنی ہی آنکھیں فرطِ محبّت سے اشکبار تھیں اور کتنے ہی قلوب جذبۂ شوق میں مچل رہے تھے۔ اسی عالم خود فراموشی میں اہلِ محبّت نے پانچ راتیں گزار دیں۔ دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے لیکن گھر لوٹنے والوں کی پیشانیوں سے امید کی جو کرن پھوٹ رہی تھی اس سے دلوں کی کیفیت کا کچھ نہ کچھ سراغ ضرور لگتا تھا۔

اجلاس سے فراغت کے بعد کئی دن حیدر آباد میں قیام کرنے کا موقعہ ملا۔ انہی ایام میں جنوبی ہند کی مشہور درس گاہ جامعہ نظامیہ کے اساتذہ کی دعوت پر اس کی زیارت

marfat.com

کا شرف حاصل ہوا۔

جامعہ کی پرشکوہ عمارتیں اس کا حسن انتظام دیکھ کر بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی ایک بلند پایہ تعلیمی مرکز کو جن خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیئے وہ ساری خوبیاں دامن کو کھینچتی تھیں کہ ہمیں دیکھو۔ جامعہ نظامیہ اپنے عظیم المرتبت بانی شیخ الاسلام مولانا حافظ شاہ انوار اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی نسبت سے ایک باوقار دارالعلوم اور ایک عظیم مرکز علم و فن کی حیثیت سے سارے اقطار ہند میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ جامعہ میں حاضری کے موقعہ پر وہاں کے اساتذہ نے ازراہ علمی قدردانی حضرت شیخ الاسلام کی چند گرانقدر تصنیفات بھی مجھے عنایت فرمائیں۔ جن میں مقاصد الاسلام اور انوار احمدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انوار احمدی کا مطالعہ کرکے میں حضرت فاضل مصنف کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، ذہنی استحضار، قوت تحقیق، ذہانت و نکتہ رسی، اور بالخصوص ان کے جذبۂ حب رسول اور حمایت مذہب اہل سنت کی قابل قدر خصوصیات سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

کتاب کی خصوصیات

یہ گراں قدر کتاب فضائل رسول اور اختلافی مسائل پر اس درجہ اطمینان بخش معلومات فراہم کرتی ہے کہ اسے ایک بار پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی انصاف پسند آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی بات بھی بغیر دلیل کے نہیں کہی گئی ہے۔ خاص طور پر آیات و احادیث اور بیان کردہ واقعات کے ذیل میں مصنف نے تبصرہ کے طور پر جو نتائج سپرد قلم فرمائے ہیں وہ بالکل نشتر کی طرح دلوں میں چبھ جاتے ہیں اور ان میں اتنی معقولیت ہوتی ہے کہ دل کے انکار کے باوجود دماغ کو ایمان لانا پڑتا ہے۔

marfat.com

حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی کی تقریظ

اس کتاب کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جو ساری خصوصیات پر حاوی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے اس کتاب کی سطر سطر اور حرف حرف کی تصدیق فرمائی ہے جو اُردو اور عربی زبان میں کتاب کے شروع میں درج ہے حضرت مہاجر مکیؒ نے اختلافی مسائل پر اس کتاب کے جملہ مشتملات کی تصدیق کر کے ان لوگوں کے لیے قبول حق کا کام آسان کر دیا ہے جو انھیں اپنے بزرگوں کا بھی بزرگ مانتے ہیں۔ اس کتاب پر حضرت موصوف کی تقریظ اُردو میں بھی ہے اور عربی میں بھی۔ اُردو کی تقریظ کا یہ حصّہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :

ان دنوں ایک عجیب وغریب کتاب لاجواب مسمّٰی بانوار احمدی مصنفہ حضرت علامۂ زماں وفرید دوراں، عالم باعمل وفاضل بے بدل جامع علوم ظاہری وباطنی عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی وچشتی سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر کی نظر سے گزری۔ اور بلسان حق ترجمان مصنف علامہ اوّل سے سے آخر تک سنی۔

اس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیق محققانہ میں تائید ربانی پائی گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق کی کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے۔ (انوار احمدی ص۷)

اس تقریظ میں "تحقیق محققانہ" "تائید ربانی" امداد مذہب اہل حق" اور "دعوت حق" کے گرانقدر الفاظ خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہیں کہ یہ ایک مرشد روشن ضمیر" کے الہامی کلمات ہیں۔ عربی زبان میں رقم کردہ تقریظ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن بیحد جامع اور ناقابل انکار حقائق پر مشتمل ہے۔ مصنف کی زبان سے کتاب کی سماعت کے بعد اپنے قلبی تاثرات کا اظہار ان لفظوں میں فرماتے ہیں :

وَجَدْتُہٗ مُوَافِقًا لِلسُّنَّۃِ — میں نے اس کتاب کو سنت کریمہ کے

marfat.com

اَلسَّنِيَّةِ فَسَمَّيْتُهُ بِالْاَنْوَارِ الْاَحْمَدِيَّةِ وَاِنَّمَا هٰذَا مَذْهَبِیْ وَعَلَيْهِ مَدَارُ مَشْرَبِیْ يَقْبَلُهُ رَبُّ الْمَقْبُوْلِيْنَ وَ جَعَلَهُ ذَخِيْرَةً لِّيَوْمِ الدِّيْنِ ۔

(انوار احمدی ص)

مطابق پایا اس لیے میں نے اس کتاب کا نام انوار احمدی رکھا اور یہی میرا مذہب ہے اور اس کے مشتملات پر ہی میرے مسلک و مشرب کا مدار ہے۔ مقبول بندوں کا پروردگار اسے قبول فرمائے اور اسے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

اس تقریظ میں بھی موافقِ سنّت میرا مذہب، میرے مشرب کا مدار، اور "ذخیرۂ آخرت" کے الفاظ خاص طور پر توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

اب اپنے قارئین کرام کے سامنے کتاب سے چند ایسے اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی حقانیت پر شیخ المشائخ حضرت مہاجر مکی نے اپنی مہر توثیق ثبت فرمائی ہے اور جنہیں اپنا مذہب، اپنے مشرب کا مدار، اور امداد مذہب اہل حق، قرار دیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ قارئین کرام ان اقتباسات کو کلمات تقریظ کی روشنی میں پڑھیں گے اور اپنی آنکھوں سے عصبیت کی وہ ساری عینکیں اتار دیں گے جنہوں نے تلاش حق کے مسافروں کو ہمیشہ گمراہ کیا ہے۔

marfat.com

اقتباسات

پہلا اقتباس

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے انکار میں تحذیر الناس کی فلسفیانہ بحث کی مذمت کرتے ہوئے فاضل مصنّف تحریر فرماتے ہیں۔

اب ہم ذرا اُن صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ (یعنی ہر نئی چیز گمراہی ہے) پڑھ پڑھ کر ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے کیا اس قسم کی بحثِ فلسفی بھی کہیں قرآن وحدیث میں وارد ہے؟ یا قرونِ ثلاثہ میں کسی نے کی تھی؟

پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہو کر کیا استحقاق پیدا کیا اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن پر ہوگا۔

دیکھئے حضرت جریر کی روایت سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی بُرا طریقہ نکالے تو اس پر جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے سب کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

(رواہ مسلم) (انوار احمدی ص۵)

marfat.com

دوسرا اقتباس

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ اس مقام پر غیظ میں ڈوبے ہوئے قلم کا ذرا چبھتا ہوا طنز ملاحظہ فرمایئے۔ تحذیر الناس کے مصنف کا تعاقب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح کے شاخسانے نکالے گئے۔

یہ تو بتلایئے! کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلّم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔ جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دینِ اسلام میں نہ ملا تو فلاسفۂ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دودم (دو دھاری تلوار) اُن سے لے کر میدان میں آکھڑے ہوئے۔ (انوار احمدی ص۵)

تیسرا اقتباس

غیرت محبت کا تقاضا ابھی پورا نہیں ہوا۔ عقیدۂ ختم نبوت پر ڈالا ہوا گرد و غبار جب تک بالکل صاف نہ ہو جائے دل کو اطمینان کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ بحث کا طویل سلسلہ ختم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت

marfat.com

کیسی متغیر ہوگئی کہ چہرۂ مبارک سے آثار غضب پیدا تھے۔ اور باوجود خُلقِ عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے ان کے لیے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمرو کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ	جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس
وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی	کے رسول کو لعنت کرتا ہے اللہ ان
الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ	پر دنیا میں بھی اور آخرت میں
لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔	بھی اور تیار کر رکھا ہے ان کے
(انوار احمدی ص۵۲)	لیے ذلت کا عذاب!

چوتھا اقتباس

صلوٰۃ وسلام کی بحث میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو ہندوپاک میں قیام وسلام کے منکرین و مخالفین کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک مقام پر حضرت مصنف انھیں متنبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اب ہم اُن حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر چنداں ضروری نہیں ہے کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے۔ کیونکہ اس آیت شریفہ سے

marfat.com

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لیے اپنا "صلوٰۃ" بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی دل میں متمکن ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن جب ان کے دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جو قدردانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور یہ بالکل منافی دعولئے عظمت کبریائی ہے۔ (انوار احمدی ص۱۰۱)

پانچواں اقتباس

جو لوگ منصب رسالت کی ناقدری کرتے ہوئے تعظیم و احترام کی بجا آوری سے گریز اور انکار کرتے ہیں ان کے خلاف اتمام حجت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ اس عبارت میں غیرت حق کا تیور خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے۔

میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور ان کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔

اسی طرح جس کے دل میں درود و سلام کی وقعت نہ ہو اُس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو صرف دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔

اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہوئی جیسے کفار مکہ حق تعالیٰ کو خالق ارض و سما کہتے تھے مگر بت پرستی اور اس کے لوازم ان کے اس قول کو باطل کئے دیتے تھے۔

(انوار احمدی ص۱۰۱)

marfat.com

چھٹا اقتباس

اس موضوع پر حضرت فاضل مصنّف کی تنبیہات کا یہ حصّہ بھی دیدۂ انصاف سے پڑھنے کے قابل ہے :

بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہ کونین جن سے ہر طرح کی امیدیں وابستہ ہیں (صلوٰۃ وسلام کی شکل میں) ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف قصور ہو بلکہ مخالفت میں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں کہ اگر حضور کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں قباحت لازم آجائے گی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔ (انوار احمدی ص۱۰)

ساتواں اقتباس

اس موضوع پر حضرت مصنف کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں :

صرف ایک یا دو بار درود شریف ادائے فرض کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہو جائے مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بلکہ خلاف مرضیٔ حق تعالیٰ بھی ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ۔ (انوار احمدی ص۱۳۹)

آٹھواں اقتباس

سلام کی بحث میں حضرت مصنّف کی یہ عبارت بھی ان لوگوں کی پشت پر ایک تازیانہ ہے جو نماز میں حضور کی طرف خیال لے جانے کو شرک کہتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں :

الحاصل ہر مسلمان کو چاہیئے کہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک

marfat.com

فی العبادۃ ہوگا کیونکہ شارع کی طرف سے اس کا امر ہوگیا تو اب جتنے خیالات اس کے خلاف ہیں وہ سب بیہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں چون وچرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔

اب یہ بات بھی محسوس کرنی چاہیئے کہ جب سلام کا مرتبہ ایسا ہوا کہ عبادت محضہ یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لیے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیئے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

(انوار احمدی ص۱۶۵)

نواں اقتباس

قرآن عظیم کی وہ آیت کریمہ جس میں نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے اور ایسے لوگوں کے خلاف حبط اعمال کی لرزہ خیز سزا سنائی گئی ہے، اُس کے ذیل میں حضرت فاضل مصنّف تحریر فرماتے ہیں:

اب ہر عاقل کو چاہیئے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہوگا۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشا صرف غیرتِ الٰہی تھا کہ اُس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔

اسی وجہ سے صحابۂ کرام ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جائے جس سے غیرتِ الٰہی جوش میں آجائے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم فانی سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت یا کبریائی میں فرق آگیا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ

marfat.com

کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفاتِ الٰہی میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس آیت کریمہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسا صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے۔ (انوار احمدی ص ۲۰۶)

دسواں اقتباس

یہودی مذہب کے لوگ جب حضور سے گفتگو کرتے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے رَاعِنَا کہا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں یعنی اچھی طرح بات ذہن نشین کرادیں۔ چنانچہ انھیں دیکھ کر صحابۂ کرام بھی حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے رَاعِنَا کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں رَاعِنَا کا لفظ گالی کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی رَاعِنَا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ اب تم رَاعِنَا کے بجائے اُنْظُرْنَا کہا کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ہماری طرف نگاہ کرم مبذول فرمائیں۔ یعنی اُس لفظ کا استعمال ہی ترک کردو جس میں توہین کا بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابۂ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انھوں نے اعلان کر دیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

ہر چند صحابۂ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال

marfat.com

کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لیے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرما دیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایتہً بھی توہین نہ تھی صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ نا شائستہ جن میں صراحتہً حضور کی کسر شان ہو کیونکر جائز ہوں گے۔

صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن ماردی جائے۔

بالفرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ حکم عام تھا بیشک اس کی گردن ماردی جاتی اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ اس لفظ سے تمہاری مراد کیا تھی۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحتہً ہو یا کنایتہً، کس درجہ قبیح ہوگا۔ (انوار احمدی ص ۱۱۲)

گیارھواں اقتباس

اسی موضوع پر حضرت فاضل مصنف کی یہ دردانگیز عبارت پڑھیئے:

اگر صحابہ کے روبرو جن کے نزدیک رَاعِنَا کہنے والا مستوجب قتل تھا، کوئی اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا تو اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا سزا سے بچنے کے لیے تاویلات بارودہ کچھ مفید ہو سکتیں؟ ہرگز نہیں!

مگر اب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اُس زمانے کو یاد کر کے اپنی بے بسی پر رویا جائے۔ اب پرانے خیالات والے وہ پختہ کار کہاں ہیں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے شرق و غرب میں گاڑ دیے تھے

marfat.com

ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوا نہ دیکھ سکی۔

میدان خالی پاکر جس کو جو چاہتا ہے کمال جرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دیدہ دلیری کو دیکھئے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں قابلِ سزا تھیں، اُنہی پر ایمان کی بنا قائم کی جا رہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون کیا ہوگا۔؟ (انوار احمدی ص۲۱۳)

بارھواں اقتباس

ایک آیت کریمہ کا شانِ نزول بتاتے ہوئے حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو حق تعالےٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔

شاید بعض لوگ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لیے نازل ہوا ہے۔ مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تأمل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آداب سے بھی بندوں کو روشناس کراتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ گرانی خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سراسر کسرِ شان کی ہیں کس قدر غیرتِ الٰہی کو جوش میں لاتی ہوں گی۔ (انوار احمدی ص۲۱۶)

تیرھواں اقتباس

کنز العمال کے حوالہ سے حضرت فاضل مصنف نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضرت

marfat.com

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک دیہاتی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ خلیفۂ رسول اللہ نہیں ؟ جواب ارشاد فرمایا کہ میں خلیفہ نہیں بلکہ خالفہ ہوں۔ خالفہ گھر کے اُس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لیے ازراہِ ادب انھوں نے اپنے آپ کو اس لفظ کے مصداق نہیں سمجھا۔ اس لفظ کو ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔

اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں ؛

جب حضرت ابو بکر جیسے مسلم الثبوت خلیفۂ راشد اپنے آپ کو حضور کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم کون سا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔

معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے ؟ اگر اپنے آپ کو حضور سے ملانا اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے تو حضور کی وہ خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو بھی نصیب نہیں ہوئیں ان کے اندر کہاں سے پیدا ہو جائیں گی۔ اور اگر اپنے برابر کر کے حضور کی شان کا تنزل اور گرانا مقصود ہے تو ان لوگوں پر اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کا مضمون صادق آتا ہے۔ غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی کوئی راہ نہیں ہے۔" (انوار احمدی ص۲۳۴)

چودھواں اقتباس

حضرت امام طبرانی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت اسلع ابن شریک فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر حضور تشریف فرما ہوتے تھے۔ ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہو گئی۔ اس درمیان حضور نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اب میں سخت کش مکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں ؟ سخت سردی کی وجہ سے ٹھنڈے پانی سے غسل بھی نہیں کر سکتا تھا اور دوسری طرف طبیعت کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں حضور کے

marfat.com

کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں ۔ بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا اور انھوں نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنّف کے یہ گراں قدر کلمات ملاحظہ فرمائیں :

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالتِ جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ تھا۔ اگر بچشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا جس سے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیئے تھے ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً وہاں اس قسم کے امور کی تعلیم تھی اور نہ صراحتہً ترغیب و تحریص۔ اگر کوئی شخص اپنے متعلق ایمانِ حقیقی کا دعویٰ کر کے یہ کہے کہ یہ خیالات ایام جاہلیت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایمان دار شخص اس کلام کی طرف التفات کرے گا۔

بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ چودھویں صدی والا خوش اعتقادی میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے۔ الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بزرگان دین کا جس قدر ادب کیا جائے محمود ہے۔

اب ذرا زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ خیر القرون کے بعد لوگوں کو ان حضرات کے مسلک سے کس قدر دور کر دیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے حالانکہ اس طرح کے امور کی تعلیم عموماً انھیں نہ تھی مگر ان کے دل اتنے ہی مہذب اور مؤدب تھے کہ قسم قسم کے آداب اور طرح طرح کے حسن عقیدت پر دلالت کرنے والے افعال خود ایجاد کر لیتے تھے اور اصول شرعیہ پر ان کو منطبق کر لیتے تھے جن کا سمجھنا بھی اس زمانے میں شاید بآسانی نہ ہو سکے۔ کیوں نہ ہو کہ ان حضرات کے وہ دل تھے جن کو تمام بندوں کے دلوں پر فضیلت ہونے کی وجہ سے

marfat.com

حق تعالیٰ نے صحابیت کے واسطے منتخب فرمایا۔ (انوار احمدی ص ۲۴۵)

پندرھواں اقتباس

فاضل مصنف نے حضرت قاضی عیاض کی شفا شریف کے حوالہ سے حضرت ابوایوب سختیانی کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے بیان کیا کہ حضرت ابوایوب سختیانی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا عشق تھا کہ جب وہ حضور کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ والہانہ کیفیت دیکھ کر میں نے ان کی شاگردی قبول کر لی۔

اس واقعہ کے ضمن میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

اب ذرا امام سختیانی کے دل کی یہ کیفیت ملاحظہ فرمایئے کہ کس درجہ عظمت و محبت ان کے دل پر چھائی ہوئی تھی جس سے وہ حالت پیدا ہو جاتی تھی جو ادب سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ اثر اسی ذکر مبارک کا تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں علیٰ حسب مراتب ایمان کو تازہ کرتا ہے۔

سبحان اللہ وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہوئی کہ بڑے بڑے فاضل معاصرین سے انھیں افضل بنا دیا اور یہاں ہنوز اس کے جواز و عدم جواز ہی میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ کہیں ذکر شریف کی مجلس ہی نہ ہونے پائے بھلا سوچیے تو سہی کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کی برکتیں مسلمانوں میں پھیلتی رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے۔ (انوار احمدی ص ۲۴۷)

سولھواں اقتباس

تعظیم و ادب سے متعلق حضرت فاضل مصنف کے دو اقتباس اور ملاحظہ فرمائیں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

وہ (صحابۂ کرام) ہر قسم کے آداب خود ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی

marfat.com

اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لیے کہ اس وقت تک بنیاد بے ادبی کی نہیں پڑی تھی۔ اور اگر چند خود سروں نے بنیاد ڈالی بھی تھی تو ان کی بداعتقادیوں نے انھیں مومنین مخلصین کے دائرہ سے خارج کر دیا تھا اور دوسرے نام کے ساتھ انھیں مشتہر کر دیا تھا۔ اس لیے کوئی ان کی باتوں پر کان نہیں دھرتا تھا۔

اور اس آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ اُن حضرات نے جن کی پیروی ہمارے لیے ضروری ہے، قسم قسم کے آداب کی ہمیں تعلیم دی، اب اگر ان کی پیروی میں آج کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراض کی بوچھار ہونے لگتی ہے۔ اور صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔ (انوار احمدی ص ۲۴۶)

سترھواں اقتباس

حضرت فاضل مصنف کا یہ آخری اقتباس ہوش و گوش کے ساتھ پڑھئے۔ موصوف تقبیل ابہامین۔ یعنی حضور کا نام پاک سُن کر انگوٹھا چومنے اور آنکھوں سے لگانے کا جواز ثابت کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

الحاصل دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا اس کی دینداری میں کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہوگی۔

سبب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں گستاخانہ انداز سے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کہا اور ابدالآباد کے لیے مردود بارگاہ کبریائی ٹھہرا اُسی وقت سے آدمیوں کی عداوت اس کے دل میں جمی اور ان کی خرابی کے درپے ہوا اور اس کے لیے مختلف قسم کی تدابیر اس نے سوچیں مگر اس غرض کے لیے وہی تدبیر اسے سب سے

marfat.com

بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی اور بے ادبی مردود بارگاہ بنا تے میں نہایت زبردست اثر رکھتی ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کی عام تعلیم اس نے شروع کردی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہا کیے۔ (انوار احمدی ص ۲۷۵)

اقتباسات کے ذیل میں قابلِ غور نکتے

یہ سارے اقتباسات کتاب سے منتخب کر کے میں نے اس لیے یہاں جمع کیے ہیں تا کہ جو لوگ شیخ المشائخ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کو اپنے بزرگوں کا مقتدائے اعظم مانتے ہیں وہ ان اقتباسات کی روشنی میں ان کے مسلک و مشرب کا اندازہ لگائیں اور ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کر سکیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تکریم اور ایمان و عقیدت کا صحیح تقاضا کیا ہے اور ہند و پاک میں کونسا طبقہ ان تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور کون اسے شرک و بدعت قرار دیتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ اس مقام پر محسوس کرنے کی چیز یہ ہے کہ ان اقتباسات اور جنوبی ہند کے ایک مقتدر پیشوا نے منصبِ رسالت کے حقوق و آداب پر اپنے جن افکار و عقیدت کا برملا اظہار کیا ہے اور جن کی حقانیت پر علمائے دیوبند کے مرشد برحق نے اپنی مہرِ توثیق ثبت فرمائی ہے وہ شمالی ہند کے اعلیٰ حضرت کی آواز سے بالکل ہم آہنگ ہے یا نہیں۔

پھر حق و انصاف کا یہ کتنا بڑا خون ہے کہ بریلی کے اعلیٰ حضرت کو تو بدعت و غلو کے الزام سے مطعون کیا جائے اور وہی بات مرشد برحق فرمائیں تو نہ ان پر غلو کا الزام عائد کیا جائے اور نہ انھیں بدعتی ٹھہرایا جائے۔

اس کتاب کے فاضل مصنف نے بھی اپنی کتاب میں جگہ جگہ ان ایذارسانیوں اور

marfat.com

زیادتیوں کا ذکر کیا ہے جو خوش عقیدہ مسلمانوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ کبھی انھیں مشرک کہا جاتا ہے، کبھی ان پر بدعتی ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے اور کبھی انھیں اندھی عقیدت میں گمرہی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ یہ ساری گالیاں انھیں صرف اس لیے دی جاتی ہیں کہ وہ بارگاہ رسالت میں اپنے اعتقاد اور کردار و گفتار کے ساتھ مؤدب رہنا چاہتے ہیں اور اپنے قول و عمل سے حبِ رسول، کا وہ تقاضا پورا کرتے ہیں جو ائمہ دین اور اکابر اُمت سے انھیں ورثے میں ملا ہے۔

پچھلے اوراق میں کتاب کے جو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں آپ اُنھیں غور سے پڑھئے۔ ان میں تعظیم و ادب کے جو وظائف و مظاہر ذکر کئے گئے ہیں اور شیخ المشائخ نے اپنی تقریظات میں جنھیں اپنا مذہب اور اپنے مشرب کا مدار قرار دیا ہے، اگر فی الواقع وہ بدعات سیئہ کے قبیل سے ہیں تو سوال اٹھتا ہے کہ جو لوگ شیخ المشائخ کو اپنے بزرگوں کا مرشد برحق سمجھتے ہیں، کیا وہ ان پر بھی بدعتی ہونے کا الزام عائد کر سکتے ہیں؟ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی یہ سوال ان کے سروں پر لٹکتی ہوئی تلوار بن جائے گا کہ کتاب و سنّت کی رو سے کیا ایک بدعتی مرشد طریقت بنائے جانے کا اہل ہے۔

پھر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس بات پر یہاں سب کی زبانیں بند ہیں اسی بات پر برصغیر کے اہلِ سنّت کو لائق گردن زدنی ٹھہرایا جاتا ہے۔ ہم اپنی مظلومی کی فریاد اسی کی بارگاہ میں کرتے ہیں جو سب پر غالب اور سب کا یاور ہے۔

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ

کتاب کے بارے میں چند معروضات

اقتباسات کے پس منظر میں جس اہم ترین نکتے کی طرف مجھے اس کتاب کے قارئین کی توجہ مبذول کرانی تھی میں اس فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اب میں اس کتاب کے بارے

marfat.com

میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے فکر انگیز مضامین، اپنے ایمان افروز مواد اور حقائق کے اظہار میں اپنے جرأت مندانہ کردار کے لحاظ سے قطعاً اس لائق تھی کہ ہر مسلمان اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا اور عشق و ایمان کی حرارت سے اپنے دل کے احساسات کو گرم رکھنے کے لیے اسے حرزِ جاں بناتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور سخت افسوس ہوا کہ ان ساری خوبیوں کے باوجود اس کتاب کو وہ ہمہ گیر شہرت حاصل نہیں ہو سکی جس کی بجا طور پر وہ مستحق تھی۔

اس کی چند وجوہات میری نظر میں یہ ہیں:

۱۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس عظیم الشان کتاب کو عوام تک پہنچانے کے لیے حضرت فاضل مصنف کے معتقدین و تلامذہ کو جو اہتمام کرنا چاہیئے تھا انھوں نے کما حقہٗ نہیں کیا۔ خصوصیت کے ساتھ جامعہ نظامیہ کے منتظمین اور وہاں کے اساتذہ کی ذمہ داری تھی کہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق کتاب کو نئی ترتیب و تہذیب کے ساتھ آراستہ کر کے دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ ملک گیر پیمانے پر اس کی اشاعت کا اہتمام کرتے۔ تاکہ جنوبی ہند کی ایک عبقری شخصیت کے علمی نوادرات سے برصغیر کی دنیا پوری طرح روشناس ہو جاتی۔ پھر بھی ان کی مساعی سے نشر و اشاعت کا جس حد تک بھی کام ہوا وہ بہر حال قابلِ تحسین ہے۔ لیکن منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا جاتا تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کتاب کے مصنف چونکہ اپنے عہد کے استاذ یے بدل، اور یکتائے روزگار ماہر علوم و فنون تھے اس لیے ان کی تحریر میں خالص علمی زبان کا رنگ غالب ہے۔ زبان کے رخ سے کتاب کی سطح اتنی اونچی ہو گئی کہ کم علم عوام کے درمیان وہ اچھی طرح رائج نہیں ہو سکی۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ۱۳۰۵ھ ہجری میں جب فاضل مصنف نے تیسری بار حجاز مقدس کا سفر کیا تو تین سال تک انھیں مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہونے کا شرف حاصل

marfat.com

ہوا۔ اسی موقعہ پر اس کتاب کی تصنیف عمل میں آئی۔ جیسا کہ حضرت کی اس سوانح سے پتہ چلتا ہے جو کتاب کے اخیر میں منسلک ہے۔

اس بنیاد پر آج اس کتاب کی تصنیف کو سو برس سے زائد ہو گئے۔ سو برس پہلے کی اردو زبان چونکہ بالیدگی اور بلوغ کے مراحل سے نہیں گزر سکی تھی اس لیے اس وقت کی تحریر افہام و تفہیم کے اعتبار سے جس اغلاق و تنگ دامنی کی حامل ہو سکتی ہے وہ ساری باتیں اس کتاب کے اندر موجود ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب زبان کی پیچیدگی کی وجہ سے عبارت کا مفہوم ہی سمجھ میں نہ آئے تو کسی تصنیف میں حقائق و معارف کے ہزار جواہرات بکھرے ہوئے ہوں کم استعداد اور سطحی ذہن رکھنے والوں کو اس کا کیا پتہ!

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے بھی کتاب میں ابواب و فصول اور الگ الگ مباحث کی پورے طور پر نشاندہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں پوری کتاب میں ذیلی عنوانات کے بغیر بحث در بحث کا طویل سلسلہ اخیر تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر مزید براں مصنف کی عادت کریمہ یہ ہے کہ وہ اپنا کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر تشنہ نہیں چھوڑتے۔ اور دلیل پیش کرنے میں بھی التزام یہ ہے کہ کتابوں سے اصل عربی عبارتیں صفحے کے صفحے اپنے مدعا کے اثبات میں نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک بحث مکمل نہیں ہونے پاتی کہ کسی دعوے کے ذیل میں دوسری بحث شروع ہو جاتی ہے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے کتاب کی علمی سطح اتنی اونچی ہو گئی ہے کہ عوام کے فہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکی۔

ان ساری وجوہات کے باوجود کتاب کی علمی اور دینی افادیت اپنی جگہ پر ہے۔ اور سچ پوچھئے تو اسی افادیت کی کشش نے میرے اندر اس جذبۂ شوق کی تحریک پیدا کی کہ میں اس کتاب کے حقائق و معارف اور اس کے مفاہیم و معانی کو آج کی زبان میں منتقل کروں۔ اور اس کے پھیلے ہوئے مباحث کو سمیٹ کر اتنا مختصر اور سہل کر دوں کہ عامۃ المسلمین بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

marfat.com

اسی طرح جنوبی ہند کے افق سے چمکنے والی روشنی شرق و غرب کے آفاق پر سپیدۂ سحر بن کر نمودار ہو۔ اور شمال و جنوب کے علمائے اہلِ سنّت کے درمیان اجنبیت کی وہ دیوار ٹوٹ کر گر جائے جو ایک عرصۂ دراز سے حائل ہے اور مسلک حق کی حمایت میں جنوبی ہند کی ایک بے مثال علمی شخصیت کے مجاہدانہ کردار سے ہندو پاک کی ساری سنّی دنیا واقف ہو جائے۔

میرے یہ پاکیزہ مقاصد اگر اپنے اندر اہلِ حق کے لیے کوئی کشش رکھتے ہوں تو مجھے امید ہے کہ حسن التفات کے ساتھ میری ان حقیر کوششوں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ خصوصیت کے ساتھ میں جنوبی ہند کے اہل سنن سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ہی گھر کے ایک گنج گراں مایہ کو ہر طالب حق کے دامن تک پہنچانے کے لیے اُس والہانہ جذبے سے کام لیں گے جو حق کے علمبرداروں کا شیوہ ہے تاکہ منصب رسالت کے احترام کی بنیاد پر جنوب و شمال کے درمیان آواز کی ہم آہنگی کا ایک نیا دور شروع ہو۔

کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے قلم کے ناگزیر تصرفات

اس کتاب کے قارئین پر میں اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے قلم نے کیا کیا تصرف کیا ہے تاکہ اس کتاب کی جدید تصنیف کا الزام میرے اوپر عائد نہ ہو۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ جگہ جگہ میں نے کتاب کے مباحث کے نئے نئے عنوانات قائم کر کے کتاب کے مضامین کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ متوسط ذہن کے لوگ بھی کتاب کے مضامین کو محفوظ کر سکیں۔

۲۔ بہت سے مقامات پر مصنف کے مراد کی وضاحت میں نے اپنے الفاظ میں کی ہے تاکہ شگفتہ اور سلیس زبان کے ذریعہ عبارت کا مفہوم اچھی طرح قارئین کے ذہن نشین ہو جائے۔ لیکن اکثر مقامات پر فاضل مصنف کے تاثرات خود اُنہی

marfat.com

کے الفاظ میں بعینہٖ نقل کر دیئے ہیں۔ ان میں بھی کہیں کہیں مفہوم کی وضاحت کے لیے مشکل الفاظ کو آسان لفظوں میں یا آسان پیرایۂ بیان میں بدلنا پڑا ہے لیکن ایسی جگہیں بہت کم ہیں۔

(۳) حوالوں کے لیے صرف کتابوں، مصنفوں اور راویوں کے نام لکھے گئے ہیں اور آسانی کے لیے عربی کی اصل عبارتوں کے بجائے ان کے سلیس اُردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے لیکن قرآن کی آیات بلفظہٖ نقل کی گئی ہیں۔ کہیں کہیں عربی عبارتوں کا اُردو ترجمہ کرتے ہوئے زورِ بیان کے لیے عربی عبارتوں کے ایک آدھ جملے بھی بلفظہٖ نقل کر دیئے گئے ہیں۔

(۴) کہیں کہیں بحث کے کسی حصّے پر یا مصنّف کی کسی عبارت پر میں نے اپنے الفاظ میں تبصرہ کیا ہے اور تبصرہ میں اُن نکتوں کو دیانت داری کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو بحث کے سیاق میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ کتاب کی ہر بحث عوام کی ذہنی سطح سے قریب ہو جائے۔

(۵) جس مقام پر علمی سطح کی کوئی مشکل بحث تھی وہاں میں نے عبارت کا خلاصہ اپنی زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ اہلِ علم کے علاوہ عام قارئین بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

(۶) کتاب کی تلخیص کرتے ہوئے میں نے صرف اُن بنیادی مباحث کو سامنے رکھا ہے جو اصل مقصود ہونے کی حیثیت سے فاضل مصنف کے پیشِ نظر ہیں اور آسان پیرایۂ بیان میں انہی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۷) فاضل مصنف نے جہاں جہاں بھی منکرینِ عظمتِ رسالت کے خلاف قلم اٹھایا ہے وہاں ان کے جذبۂ ایمان کی ترنگ دیکھنے کے قابل ہے۔ سطر سطر زلفِ جاناں کی خوشبو سے معطر ہے اور لفظ لفظ عشق و وفا کی غیرت میں بھیگا ہوا ہے اور اسے جذبۂ عقیدت ہی کا تصرف کہیئے کہ اس طرح کے مقامات پر عبارت اتنی شگفتہ اور قلم اتنا رواں ہو گیا ہے کہ پہچاننا مشکل ہے۔

marfat.com

ان سارے مقامات پر مصنف کی عبارت جوں کی توں نقل کی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ عذر کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے جس عبارت کی توثیق فرمائی ہے اس میں ردوبدل کر دیا گیا ہے۔

(۸) کتاب کے آخر میں فتنۂ وہابیت کی تاریخ حضرت مصنف نے بڑی تفصیل سے لکھی ہے میں نے اسے سمیٹ کر مختصر کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں اس ایمان سوز فتنہ کی تاریخ اچھی طرح مستحضر ہو جائے۔

انوار احمدی کا سبب تالیف

شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبدالحمید صاحب کتاب کے پیش لفظ میں اس کے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"تخلیق انسان کے ساتھ ہی اس مقصد تخلیق کی تکمیل کے لیے خالق کائنات کی جانب سے رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ سید المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔

آپ کا مرتبۂ بلند و درجہ عالیہ کو ظاہر کرنے کے لیے قرآن مجید میں نہایت تاکید کے ساتھ اُمت کو آپ کے ادب و احترام اور آپ کی تعظیم و توقیر کو پوری طرح ملحوظ رکھنے کا حکم محکم دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ گفتگو کے وقت خبردار اپنی آواز بلند مت کرو۔ بلکہ تنبیہ کی گئی کہ اگر آواز کو بلند کیا جائے گا تو تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔

اور یہ کہ آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوں تو باہر سے آپ کو آواز دینے کی بجائے خود آپ کی تشریف آوری کا انتظار کریں۔ آپ کی بارگاہ میں اپنا کوئی مقدمہ پیش کریں تو آپ جو فیصلہ صادر فرمائیں اس کو بلا کسی

marfat.com

تنگیٔ قلب کے قبول کر لیں. اور اس کو قبول نہ کرنا ایمان کے منافی ہونے کی علامت ہوگی۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مخلص اور جلیل القدر صحابۂ کرام گفتگو اس قدر پست آواز میں کرتے کہ دوبارہ کہلوانے کی نوبت آتی۔ اور جب آپ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتے تو اس قدر آداب و احترام اور سکوت و خاموشی کے ساتھ باادب بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے کہ ذرا سی حرکت سے اُڑ جائے گا۔

یہ حال تو اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کا تھا مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں کفر پوشیدہ تھا وہ موقعہ بہ موقعہ کچھ نہ کچھ گستاخی کا اظہار کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ اُنہی کے ایک شخص نے مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقعہ پر اِعْدِلْ یا مُحَمَّدُ کا نعرہ لگایا یعنی اے محمد انصاف کرو۔

یہ سُن کر حضور کا چہرۂ مبارک سُرخ ہوگیا اور فرمایا کہ اِنْ لَّمْ اَعْدِلْ فَمَنْ یَّعْدِلُ یعنی اگر میں عدل و انصاف سے کام نہ لوں تو کون ہے جو انصاف کرے گا۔ فاروق اعظم کو یہ گستاخانہ جملہ اس قدر ناگوار ہوا کہ حضور کا پاس ادب نہ ہوتا تو اُسی وقت اُس کی گردن اُڑا دیتے۔ جب آپ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی گردن اُڑا دینے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اس قبیل کا ایک گروہ ہوگا جو ظاہری حیثیت سے نہایت عبادت گزار ہوں گے کہ ان کی عبادتوں کو دیکھ کر تم اپنی عبادتوں کو حقیر سمجھو گے۔ اسی سلسلہ میں حضور نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کُلَّمَا طَلَعَ قَطَعَ یہ سینگ نکالیں گے تو کاٹ دی جائے گی مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر نمودار ہوگی۔

چنانچہ یہ سلسلہ اُس وقت سے برابر جاری ہے۔ اہلِ حق ان کے مقابل ہمیشہ کمربستہ رہے ہیں۔ انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک

marfat.com

زریں کڑی ہے۔

اس لیے حقائق آگاہ عارف باللہ مولینا محمد انوار اللہ نے مدینہ طیبہ کے دورانِ قیام میں حضور کے اخلاق حسنہ اور آپ کے ادب و احترام سے متعلق صحابۂ کرام کے طریقۂ عمل کو نظم میں قلم بند فرما کر پھر بحوالۂ احادیث ان کی تشریح و توضیح فرمائی۔

جسے حضرت ممدوح کے مرشد، مرشد العلماء حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سن کر بہت محظوظ و مسرور ہوئے اور اس کا نام انوار احمدی تجویز فرمایا۔

بلاشبہ اس میں انوار رسالت پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہیں جس سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ موجودہ دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب جب یہ سینگ نکلے گی کاٹی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔ محافظ حقیقی عالم اسلام کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ اٰمِیْن وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اس اقتباس میں حضرت شیخ الجامعہ کے پیش لفظ کا یہ حصہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے:

"موجودہ دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ نکلے گی تو کاٹی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔

اگرچہ شیخ الجامعہ نے ان لوگوں کا نام نہیں لیا ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میلاد و قیام، صلاۃ و سلام، اور تعظیم و عقیدت کی ساری روایات متوارثہ کے خلاف آج جو طبقہ شہر شہر اور قریہ قریہ میں اہلِ سنت کے ساتھ برسرِ پیکار ہے، اس کا نام نہ بھی لیا جائے جب بھی ہند و پاک کی ساری اسلامی دنیا اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ انوار احمدی کے سبب تالیف کے سلسلے

marfat.com

یں حضرت شیخ الجامعہ کے اس بیان کا ہم پُرجوش خیر مقدم کرتے ہیں کہ احادیث میں جس گستاخ فرقے کی نشاندہی کی گئی ہے، اس کے خلاف چودہ سو برس سے اہلِ حق جو مسلسل جہاد کرتے چلے آرہے ہیں، انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زرین کڑی ہے۔

اختلافی مسائل میں فاضل مصنّف کا موقف

اگرچہ انوار احمدی کا صفحہ صفحہ اس حقیقت کے اظہار کے لیے ایک شفاف آئینہ ہے کہ اختلافی مسائل میں فاضل مصنّف کا موقف کیا ہے۔ لیکن حضرت موصوف کی وہ طویل نظم جو مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مرتب ہوئی اور جس کی تشریح و توضیح میں انوار احمدی لکھی گئی، وہ اختلافی مسائل میں ان کے مذہبی موقف کی ایک کھلی ہوئی دستاویز ہے۔ جیسا کہ اُس طویل نظم کے وجود میں آنے کا قصہ خود فاضل مصنّف نے اس کتاب کی تمہید میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

"جس زمانے میں آقائے دارین نے بنظر کمال بندہ پروری اس ناچیز کی حضوری افضل البلاد" مدینہ طیبہ" زادہا اللہ شرفاً میں منظور فرمائی تھی، وہاں چند روز ایسے گزرے کہ کوئی کام درس و تدریس وغیرہ کے متعلق نہ رہا۔ چونکہ نفس ناطقہ بیکار نہیں ہے اس لیے یہ بات دل میں آئی کہ چند مضامین میلاد شریف و فضائل و معجزات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتب احادیث وغیرہ سے منتخب کرکے منظوم کیے جائیں۔" (صـ۳)

سیر گلستان عقیدت

اب ذیل میں اُس مُسدّس نظم کے چند بند ملاحظہ فرمایئے۔ جو گلشن کے مہکتے ہوئے پھولوں کی طرح حسن عقیدت کی خوشبو سے مشام جان کو بھی معطر کرتے ہیں اور مشام ایمان کو بھی۔

ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتوں پر ایک وجدانی دلیل قائم کرتے ہوئے تحریر

marfat.com

فرماتے ہیں :

ٹھہرا کفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیاء — اور از قسم عبادت ہو جو ذکر انبیاء!
پھر ہو ذکر سرور عالم کا کیسا مرتبا — جن کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا

رفع ذکر پاک ثابت ہے کلام اللہ سے
مطمئن ہوتے ہیں دل ذکر شہ لولاہ سے

اب درود شریف کے عنوان پر فکر رسا کا ایک جلوہ دیکھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

جو کہ پڑھتا ہو درود اس کو شفاعت ہو نصیب — راضی ہوگا حق گواہی دیں گے جب اس کے حبیب
عرش کا سایہ ملے گا ہوگا حضرت کے قریب — ہوگا روز عید اس کو حشر کا روز مہیب

اور اس کثرت سے ہوگا نور اس دن اس کے ساتھ
جس کی وسعت میں سما سکتی ہو ساری کائنات

نعت شریف کی فضیلت پر اپنے جذبۂ دل کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

نعت وہ ہے جس کا حضرت نے کیا خود اہتمام — حق تعالیٰ نے لیا جملہ نبیوں سے یہ کام
ہو جو محروم اس سے ہے ایمان اُس کا ناتمام — اور جو دشمن ہو تو اُس کے کفر میں پھر کیا کلام

کی بذات خود خدا نے نعت جیب محبوب کی
پھر ثنا دل سے کریں کیونکر نہ سب محبوب کی

تخلیق نور مصطفےٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اچھوتا پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے وہ دلوں کو چھو لیتا ہے :

یعنی جب خالق نے چاہا غیب کا اظہار ہو — اور عبودیت کا ساری خلق میں اقرار ہو
فیض بخش کن فکاں گنجینۂ اسرار ہو — کُنج تاریک عدم جو لا تگہ انوار ہو

نور سے اپنے کیا اک نور پیدا بے مثال
اور محمد اس کا رکھا نام حمداً لایزال

marfat.com

ظہور نور قدسی کی منظر کشی بہت سے لوگوں نے کی ہے لیکن حضرت ممدوح کا پیرایہ بیان کس غضب کا ہے کہ آنکھیں فرط اثر سے بھیگ جاتی ہیں اور دل مسرتوں کے تلاطم میں ڈوبنے لگتا ہے۔ فرماتے ہیں:

پس وہ نور پاک رب العالمیں پیدا ہوئے — مبدأ کونین و ختم المرسلیں پیدا ہوئے
جان عالم قبلۂ اہل یقیں پیدا ہوئے — شکر ایزد رحمۃ للعالمیں پیدا ہوئے
دھوم تھی عالم میں خورشید کرم طالع ہوا
ہاں کریں تعظیم اب نورِ قدم طالع ہوا

ساری دنیا کے خوش عقیدہ مسلمان ولادت با سعادت کا دن نہایت محبت و احترام اور ذوق و شوق کے ساتھ مناتے ہیں۔ لیکن ایک طبقہ آتش غیظ میں سلگتا رہتا ہے۔ عید میلاد النبی کے جواز پر حضرت ممدوح نے ایسی اچھوتی دلیل پیش کی ہے کہ اس بند کو پڑھئے اور سر دھنئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

سامعیں سے ہے توقع غور فرمائیں ذرا — تھا ذبیح اللہ کا فرحت فزا جو واقعہ
وہ معیّن روز روز عید ٹھہرایا گیا — تہنیت کے سب رسوم اُس روز ہوتے ہیں ادا
روز میلاد نبی جس میں تھا وہ کچھ اہتمام
ہو نہ کیونکر واجب تعظیم پیش حق مدام

میلاد کے ساتھ قیام کا رشتہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے پھول کے ساتھ خوشبو کا۔ عرب و عجم کے سارے مومنین قانتین میلاد و قیام کی معنوی لذتوں سے عشق و عقیدت کا نور اور دل کا سرور حاصل کرتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ دونوں چیزیں کانٹے کی طرح چبھتی ہیں۔ حضرت ممدوح نے اپنے اس بند میں میلاد و قیام کے جواز پر نہایت مسکت اور تشفی بخش دلیل پیش کی ہے۔ منکرین بھی تعصب کی عینک اتار کر اگر اس بند کو پڑھیں تو کچھ بعید نہیں کہ وہ بھی ایمان لے آئیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

مجلس میلاد بھی حاکی ہے وقت خاص کی — جس میں حسب حکم خالق خلق نے تعظیم کی
پھر بھلا تعظیم وقت ذکر میلاد نبی — ہو خلاف مرضیٔ حق یہ نہیں ممکن کبھی

marfat.com

حق تعالیٰ تو کرائے سجدہ یا صد عز و شاں
اور کھڑا ہونا نہ ہو جائز یہ کیسا ہے گماں

ولادت پاک کی خوشی میں ابولہب جیسے کافر لعین کو اپنی لونڈی آزاد کرنے پر دوزخ میں اپنی پیاس بجھانے کی جو آسانی میسر آئی اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ممدوح جشن میلاد کی حمایت میں ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں :

یہ اثر اللہ اکبر مجلس میلاد کا　　کفر دوزخ میں ہو جس کی آبیاری برملا
پھر جو ایماں بھی ہو ساتھ اس جشن کے سو چو ذرا　　مبغضوں کی طرح کیا محروم وہ رہ جائے گا

یہ نہیں ممکن کہ رنج و شادمانی ایک ہوں
یہ تو ایسا ہے کہ جیسے آگ پانی ایک ہوں

اُس گستاخ فرقہ کے پیدا کردہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریت مصطفےٰ کا بھی ہے وہ حضور کو بالکل اپنی طرح بشر مانتا ہے اور اس رشتے سے وہ حضور کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہے۔ حضرت فاضل ممدوح نے اپنے اس بند میں اس مسئلے کو بھی صاف کر دیا ہے۔ فرمانِ الٰہی کے بموجب حضور نے کفار مکہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں لیکن جب مومنین صحابہ سے اس مسئلے میں خطاب کا موقعہ آیا تو ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنی طرح بشر کہنے کی جسارت کفار ہی کر سکتے ہیں۔ مومنین کا منصب یہ نہیں ہے کہ وہ حضور کو اپنی طرح بشر کہیں۔ قدرت و اختیار کے باوجود طائف میں کفار کے ظلم و جبر پر حضور کے صبر و ضبط کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ممدوح ارشاد فرماتے ہیں :

باوجود اس کے اٹھائے جبکہ صدمے اس قدر　　تب کیا دعویٰ کہ ہوں میں بھی تمہیں سا اک بشر
ورنہ جو مسجود اک عالم کا ہوئے سر بسر　　اہل دانش کس طرح رکھتے وہ دعویٰ معتبر

کس مصیبت سے چھپایا راز کو اغیار سے
پھر بھی لَسْتُ مِثْلُکُمْ فرما دیا اخیار سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے مسئلے میں بھی اُس گستاخ فرقے نے جن

marfat.com

شقاوتوں کا مظاہرہ کیا ہے وہ مسلمانوں کی دل آزاری کا بدترین نمونہ ہے۔ حضرت فاضل ممدوح نے اپنے اس بند میں علم غیب رسول کے مسئلے کو جس دل نشیں پیرائے میں واضح کیا ہے وہ ان کے تبحر علمی اور قوت استدلال کی بہترین مثال ہے۔ اس مسئلے میں صحابۂ کرام کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

جتنے تھے اصحاب سب یہ جانتے تھے بالیقیں — کہ ہیں واقف موت سے ہر اک بشر کے شاہِ دیں
بلکہ تاخیر اجل چاہیں تو کچھ دقت نہیں — جس کی جو مرنے کی جا ٹھہراتے وہ مرتا وہیں
اہل خلد و نار کا رکھا تھا دفتر ہاتھ میں
گویا تھا ہر شخص کا نقش مقدر ہاتھ میں

اسی عنوان پر حضرت فاضل ممدوح کا ایک اور بند ملاحظہ فرمائیں۔ کتنے آسان پیرائے میں کمالات نبوت سے متعلق ایک بنیادی عقیدے کو مسلمانوں کے دلوں میں اتار دیا ہے۔

تحریر فرماتے ہیں:

تھا نظر سے شاہ دیں کے قدرت حق کا ظہور — یعنی تھا پیش نظر یک طور پر نزدیک و دور
دیکھتے تھے مقتدیوں کے خواطر کو حضور — ایک ساں تھی چشم نورانی کو تاریکی و نور
دیکھتے تھے واقعے روز قیامت کے عیاں
جس طرح ہیں دائماً احوال امت کے عیاں

اسی مسئلے پر حضرت فاضل ممدوح کا ایک اور استدلال ملاحظہ فرمائیں۔ دلیل کی اساس بالکل وہی ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس شعر میں جلوہ گر ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

فکر کی ہم آہنگی پر حیرت کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایمان کا نصب العین دونوں کے یہاں مشترک ہے۔ اب پوری توجہ کے ساتھ حضرت ممدوح کا یہ بند پڑھئے۔

حضرت موسیٰ نے جب دیکھی تجلی طور پر — گو نہ دیکھا حق کو پھر بھی بڑھ گئی ایسی نظر
کہ شب یلدا میں دس فرسخ پہ چیونٹی ہو اگر — دیکھ لیتے، طور کی رویت کا تھا ایسا اثر

marfat.com

پھر جو خود اللہ کو حضرت نے دیکھا بار بار
کونسی شئے ہے جو حضرت پر نہ ہوتی آشکار

حضور کے قدرت و اختیار کے مسئلے میں بھی اس گستاخ فرقے نے مومنین کے جذبۂ عقیدت پر خوں زیر حملے کئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مدینے کے منافقین کا عناد ورثے میں ملا ہوا ہے۔ حضور کی ہر عظمت سے انکار اور ہر شیوۂ تعظیم و ادب سے دل میں چبھن! دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی بدبخت قوم ہوگی جو کسی کو اپنا پیغمبر بھی مانتی ہو اور اس کی طرف سے سینے میں جلن بھی رکھتی ہو۔ اس کا کلمہ بھی پڑھتی ہو اور اس کی تنقیص میں دن رات غلطاں بھی رہتی ہو۔

کتاب و سنت کے اوراق جس رسول کونین کے اختیارات و کمالات کی بھرپور شہادت دیتے ہوں اس کے بارے میں یہ لکھنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں، اُسے دل کی کدورت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اختیارات مصطفےٰ پر حضرت ممدوح نے صرف ایک بند میں فکری گمراہیوں کا سارا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اور دلیل کی قوتوں سے اس عقیدے کو اتنا مسلح کر دیا ہے کہ کسی بھی حملہ آور کو پوری طرح پسپا کیا جا سکتا ہے۔ اب پورے نشاط قلب کے ساتھ یہ بند پڑھئے:

دست کی توصیف میں ہیہات قاصر ہے زباں — کیونکہ دست عقل خود پہنچا نہیں اب تک وہاں
کل خزانوں کی انہی ہاتھوں میں ہیں سب کنجیاں — اور انہی ہاتھوں سے ہوگا فتح ابواب جناں
ہو تصرف کیوں نہ پھر اُس ہاتھ کا اکوان میں
جس کو خالق نے یدُ اللہ کہہ دیا قرآن میں

اس طویل نظم میں کل ۵۸ بند ہیں لیکن جتنے بند یہاں نقل کئے گئے ہیں اُن سے اختلافی مسائل میں حضرت فاضل مصنف کا مسلک حق مہر نیمروز کی طرح آشکار ہو جاتا ہے۔ اب اخیر میں اختصار کے ساتھ ہم حضرت موصوف کی سوانح حیات اس کتاب کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

marfat.com

سوانح حیات حضرت فاضل مصنّف

حضرت کے سوانح نگار شاہ ابوالخیر کنج نشین کی روایت کے مطابق حضرت فاضل مصنّف کی ولادت باسعادت ۴ ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ میں ضلع ناندیڑ میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آثار حمل ظاہر ہوئے تو خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت فاضل مصنف کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اور والدۂ محترمہ کی طرف سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی سے جا ملتا ہے۔ ان کے والد بزرگوار ابو محمد شجاع الدین بڑے متبع سنت اور عالم باعمل بزرگ تھے۔

حضرت شیخ الاسلام کی ابتدائی تعلیم والد محترم سے ہوئی۔ سات سال کی عمر میں حفظ کر لیا۔ فارسی اور عربی کی تعلیم کے لیے آپ مولوی فیاض الدین اورنگ آبادی کے حوالے کئے گئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور معقولات کی تکمیل فرنگی محل لکھنو میں ہوئی۔ ۱۲۸۴ھ میں اپنے وقت کے مشہور عالم دین مولانا حاجی امیر الدین کی صاحبزادی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ ۱۲۸۵ھ میں محکمۂ مالگذاری میں پچھتر روپے ماہوار خلاصہ نویس کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ ایک بار سودی کاروبار کی مثل خلاصہ لکھنے کے لیے آپ کے پاس آئی جس کی وجہ سے اُسی دن آپ نے اس ناجائز ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی۔

جامعہ نظامیہ کی بنیاد

ترک ملازمت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ علمی تبحر کی شہرت سُن کر دور دراز مقامات سے جوق در جوق تشنگان علم اس چشمۂ فیض کے کنارے جمع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ جامعہ نظامیہ کے نام سے ان کے لیے باضابطہ ایک معیاری درس گاہ کی بنیاد رکھنی پڑی۔ سنہ ۱۲۹۲ھ میں اس عظیم درس گاہ کی بنیاد پڑی جس کا ڈنکا عرصۂ دراز تک برصغیر کے طول و عرض میں بجتا رہا۔

سلاطین دکن کی تعلیم و تربیت

اپنی علمی شہرت اور بے مثال تدریسی صلاحیت

marfat.com

کی وجہ سے ۱۲۹۵ء میں سلاطین دکن کے استاذ کی حیثیت سے آپ کی تقرری عمل میں آئی۔ خاندان آصفیہ کا سب سے پہلا طالب علم جس نے آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اس کا نام آصف سادس میر محبوب علی خاں تھا۔ ۱۳۰۲ھ میں آصف سابع میر عثمان علی خاں بھی آپ کے حلقۂ درس میں داخل کئے گئے اور مسلسل بائیس سال تک زیر تعلیم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ میر عثمان علی خاں کا دین اور دینی شعائر کے ساتھ گہرا لگاؤ آپ ہی کے حسن تربیت کا ثمرہ تھا۔

تعلیم سلوک اور بلاد اسلامیہ کا سفر

شیخ الاسلام حضرت فاضل مصنف کے والد ماجد کو مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری سے خلافت تھی اس لیے انھوں نے سلوک کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ بعد فراغ تعلیم ظاہری و باطنی انھوں نے تین بار بلاد اسلامیہ کا سفر کیا۔

پہلی بار ۱۲۹۴ھ میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے اس وقت شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی وہاں موجود تھے۔ ان سے حضرت شیخ الاسلام نے تمام سلسلوں میں تجدید بیعت کی۔ اسی موقعہ پر بغیر کسی طلب کے حضرت حاجی صاحب نے شیخ الاسلام کو خلعت خلافت سے سرفراز کیا۔

۱۳۰۱ھ میں حجاز کا دوسرا سفر اور ۱۳۰۵ھ میں تیسرا سفر کیا اور تین سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ یہاں تمام وقت حرم محترم کے کتب خانہ میں گزرتا۔ آپ کی مایۂ ناز تصنیف انوار احمدی اسی زمانے میں یہاں لکھی گئی۔ اسی دوران قیام میں آپ نے ایک بہت بڑا علمی اور دینی کام یہ بھی کیا کہ یہاں کے قدیم کتب خانوں سے تفسیر، حدیث، اور فقہ کی نادر الوجود کتابوں کی نقول حاصل کیں۔ جن میں علی متقی کی کنز العمال، جامع مسانید امام اعظم، جوہر النقی علی سنن بیہقی، اور احادیث قدسیہ، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

دائرۃ المعارف کا قیام

سوانح نگار کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ کے دوران قیام میں تین بار خواب میں وہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ

marfat.com

علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضور نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ حیدر آباد واپس جاؤ اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دو۔ جب اپنا خواب حضرت موصوف نے حاجی صاحب کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے واپسی کا حکم دے دیا۔

حیدر آباد واپس آنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے سنہ ۱۳۱۸ھ میں دو نہایت اہم اداروں کی بنیاد رکھی ایک کتب خانۂ آصفیہ اور دوسرا مجلس دائرۃ المعارف۔ آخر الذکر ادارے نے نادر الوجود کتابوں کی طباعت و اشاعت کی ایسی گرانقدر خدمت انجام دی کہ ایک عظیم مرکز اشاعت علم و فن کی حیثیت سے مجلس دائرۃ المعارف کو علمی دنیا میں ایک نہایت بلند مقام حاصل ہوگیا۔ اسی ادارہ سے وہ سارے قلمی نسخے زیور طبع سے آراستہ ہوئے جن کی نقلیں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں حاصل کی گئی تھیں۔

شیخ الاسلام کی تصنیفات

ایک شہرۂ آفاق اُستاد اور ایک متبحر عالم دین ہونے کے علاوہ حضرت موصوف ایک پختہ کار صاحب قلم اور ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کے شعری اور ادبی کمال کا اندازہ اُس طویل نظم کے چند بندوں سے اس کتاب کے قارئین نے کر لیا ہوگا جو پچھلے اوراق میں نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت کی گرانقدر تصنیفات میں انوار احمدی، مقاصد الاسلام جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ حقیقۃ الفقہ، افادۃ الافہام یہ دونوں کتابیں دو دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ کتاب الفضل، الکلام المرفوع، انوار اللہ الودود فی مسئلۃ وحدۃ الوجود خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

وصال شریف

ترسیٹھ سال کی عمر میں حضرت شیخ الاسلام نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ جامعہ نظامیہ کے احاطے میں انھیں سپرد خاک کیا گیا جو آج تک زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

marfat.com

حضرت کے معمولات

سوانح نگار نے حضرت کے معمولات کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے ایک نہایت مرتاض بزرگ تھے۔ اور سلف صالحین کے نقش قدم پر تھے۔ دن کا وقت جامعہ نظامیہ میں درس و تدریس میں گزرتا جسے وہ حِسبَۃً لِلّٰہ انجام دیا کرتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد فتوحات مکیّہ کا درس دیتے۔ راوی کے بیان کے مطابق فتوحات کے درس میں اکثر انوار و تجلیات کا نزول ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے ارواح قدسیہ کی تشریف آوری کا واقعہ بیان کیا ہے۔

تہجد کی نماز سے پہلے تصنیف و تالیف کا کام کرتے۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہوتے کے بعد رات کے پچھلے پہر تک آرام کرتے اور پھر نماز فجر کے بعد جامعہ نظامیہ میں تشریف لے جاتے اور تدریس و افتاء اور دعوت و ارشاد کی خدمت انجام دیتے۔ یہی ان کے شب و روز کے معمولات تھے جسے زندگی کے آخری لمحے تک انھوں نے برقرار رکھا۔

اپنے پیش لفظ کی آخری سطریں لکھتے ہوئے میں صمیم قلب کے ساتھ دُعا کرتا ہوں کہ نئی ترتیب و تہذیب کے ساتھ اس کتاب مستطاب کی اشاعت سے میرا جو دینی مدعا ہے خدائے قدیر اُسے پورا فرمائے اور میری اس خدمت کو قبول کرے۔ اور حضرت شیخ کی اس گراں مایہ کتاب کے ذریعہ ان لوگوں پر اپنی ہدایت و توفیق کا دروازہ کھولے جو فکری گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں مکتبۂ جام نور نئی دہلی کے منتظمین کا شکریہ نہ ادا کروں جنھوں نے دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ اس قابلِ فخر کتاب کی اشاعت کا اعزاز حاصل کیا ہے۔

اخیر میں اہلِ علم حضرات سے التماس کرتا ہوں کہ کتاب کی نئی ترتیب و تہذیب

marfat.com

میں اگر انھیں کہیں میرے قلم کی کوئی فروگزاشت نظر آئے تو اسے اپنے دامن عفو میں جگہ دیں گے۔

اب آپ ورق الٹئے اور اصل کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

ومانوفیقی الا باللہ وھو ارحم الراحمین۔ وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا محمد رسول اللہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ اجمعین ٥

بندۂ گنہگار طالب رحمت غفار

ارشد القادری

دفتر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء

نئی دہلی ۱۳

۲۷ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۹۸۹ء

marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۰ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ۰ وَعَلٰی صَحْبِہِ الْمُرْشِدِیْنَ ۰ وَاٰلِہِ الْمُھْتَدِیْنَ ۰ وَحِزْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۰

نعت گوئی بھی زبان وقلم کا ایک جہاد ہے

اس موضوع پر مصنف کتاب نے تین حدیثیں نقل کی ہیں۔

پہلی حدیث

مشہور صحابیٔ رسول حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ سوال پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شعر وشاعری کی برائی میں یہ آیت نازل فرمائی ہے اَلشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ شعراء وہ ہیں جن کی گمراہ لوگ پیروی کرتے ہیں۔ ان کے سوال کا مدعا یہ تھا کہ اب ایسی صورت میں شعر کہنا کیونکر روا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ الْمُؤْمِنَ یُجَاھِدُ بِسَیْفِہٖ وَلِسَانِہٖ ایمان والے تلوار سے بھی جہاد کرتے ہیں اور زبان سے بھی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کفار کے مقابلے میں تمہارا شعر پڑھنا تیر اندازی کی طرح ہے۔ یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام کی مدافعت میں تم جو اشعار کہتے ہو وہ تیر کی طرح کفار کے سینوں کو گھائل کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

دوسری حدیث

مشہور محدث حضرت ابن عبدالبر نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت کعب

marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ نعت گوئی کے بارے میں کیا حکم ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔ یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام کی طرف سے مدافعت کے لیے تلوار سے بھی کام لیتا ہے اور زبان سے بھی۔ (استیعاب)

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں مصنف کتاب کا یہ تبصرہ حرزِ جاں بنانے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور اُن مخالفین کے جوابات، میں جو تنقیص شان کرتے ہیں، اشعار کا لکھنا لسانی جہاد ہے جو تیر کی طرح کام کرتا ہے۔ (انوار احمدی ص۳)

تیسری حدیث

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ عرب کے مشہور شاعر نابغہ جعدی نے حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چند اشعار پڑھے حضور نے خوش ہو کر انھیں یہ دُعا دی۔

لَا یَفْضُضُ اللّٰہُ فَاکَ اَیْ لَا یُسْقِطُ اللّٰہُ اَسْنَانَکَ۔ (بیہقی)

اللہ تمہارے منہ کی مہر نہ توڑے یعنی تمہارے دانت نہ گریں اور منہ کی رونق نہ بگڑے۔

اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت نابغہ کی عمر سو برس کی ہوگئی تھی لیکن ان کے کُل کے کُل دانت صحیح وسالم تھے اور اولے کی طرح سفید تھے۔ راویانِ حدیث نے یہاں تک اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ:

اِذَا سَقَطَ لَہٗ سِنٌّ نَبَتَ لَہٗ اُخْرٰی۔ (دار قطنی)

جب ان کا کوئی دانت گر جاتا تو بڑھاپے میں بھی اس کی جگہ نیا دانت نکل آتا۔

marfat.com

یہ سنتا سر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تھی کہ نعت پڑھنے والے کے منہ کی خوبصورتی زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہی۔

حضور ہی کے وجود سے سارے عالم کا وجود ہے

اس موضوع پر مصنف کتاب نے احادیث کے چمنستانوں سے جو گلہائے رنگا رنگ جمع کئے ہیں ان کی خوشبو سے دنیا ہمیشہ معطر رہے گی۔ ذیل میں قارئین کرام حدیثوں کی مہکتی ہوئی قطاریں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث

حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنی اُمّت کو بھی حکم دو کہ وہ بھی ان پر ایمان لائیں۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں کہ اگر میں ان کو نہ پیدا کرتا تو نہ آدم کو پیدا کرتا اور نہ جنت دوزخ کو، جب میں نے پانی پر عرش کو بچھایا تو وہ ہلنے لگا۔ جب میں نے اس پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھ دیا تو وہ ساکن ہو گیا۔

اور ابن سبع نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

مِنْ اَجْلِكَ اَسْطَحُ الْبَطْحَآءَ وَاُمَوِّجُ الْمَوْجَ وَ اَرْفَعُ السَّمَآءَ وَاَجْعَلُ الثَّوَابَ وَالْعِقَابَ۔	آپ ہی کی وجہ سے میں نے زمین کو بچھایا اور لہراتے ہوئے دریا پیدا کئے اور آسمانوں کو بلند کیا اور عذاب و ثواب کے ضابطے مقرر کئے۔

(زرقانی علی المواہب)

marfat.com

دوسری حدیث

حضرت ابن عساکر نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن سیدنا جبریل علیہ السلام حضور پاک صاحبِ لولاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی جو میرے نزدیک آپ سے زیادہ بزرگ ہو۔ اور میں نے دنیا اور دنیا والوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ ان پر میں ظاہر کر دوں کہ میرے نزدیک آپ کا مرتبہ اور آپ کی بزرگی کیا ہے۔ اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (المواہب اللدنیہ)

ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔ ایک ایک لفظ محبت و عقیدت کی خوشبو سے معطر ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

حدیث سابق میں جو مذکور ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عالم پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفرینش خلق کا مقصود یہ ہے کہ حضرت کا مرتبہ اور عظمت ظاہر ہو پھر جب خداوند قدوس نے صرف اظہارِ فضیلت کے لیے اس قدر اہتمام کیا ہو تو ضروری ہے کہ تمام عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت میں بہ دل و جان مصروف ہو۔ کیونکہ بادشاہ اگر کوئی عمدہ اپنی مرغوب چیز کسی شخص کو تبلائے اور وہ شخص اس چیز کی تعریف نہ کرے تو غیرت بادشاہی اس امر کی مقتضی ہوگی کہ اس بے ادبی کی پاداش میں اسے سخت سزا دی جائے اور ایسا شخص سوائے متمرد اور سرکش کے دوسرا نہ ہوگا۔

اسی وجہ سے حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سوائے سرکش جن و انس کے زمین و آسمان کی ہر مخلوق مجھے جانتی پہچانتی ہے۔

(کتاب الشفاء۔ بیہقی) (انوار احمدی صـ۱۴)

marfat.com

تیسری حدیث

ثعلبہ ابن مالک سے ابُو نُعیم نے اور جابر ابن عبداللہ سے احمد، دارمی، بزار اور بیہقی نے، اور عبداللہ ابن جعفر سے مسلم اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ مدینہ کے کسی باغ میں ایک اونٹ تھا جو دماغی خلل میں مبتلا ہوگیا تھا اس کی دہشت سے لوگ اس باغ میں نہیں جاتے تھے۔ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں تشریف لے گئے۔ جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو آواز دی وہ دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے اپنا ہونٹ زمین پر رکھ دیا۔ حضور نے اسے مہار لگادی اور ارشاد فرمایا کہ نافرمان جن وانس کے علاوہ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

فائدہ

مصنف کتاب نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ حضور ہی کے لیے سارا عالم پیدا کیا گیا ہے اس لیے عالم کی ہر چیز حضور کو جانتی ہے۔ بلکہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے کفار بھی حضور کو جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نبی برحق ہیں مگر مانتے نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ یعنی کفار کو حضور کے نبی ہونے کا علم بالکل ایسا ہے جیسے اپنی اولاد کے بارے میں انھیں علم ہے کہ وہ ان کی اولاد ہیں۔

چوتھی حدیث

مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنّت سے نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ عرش کے ستونوں پر اور جنّت کے در و دیوار پر ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے

marfat.com

حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ یہ محمد کون ہیں جن کا نام تیرے نام کے ساتھ ملا ہوا ہے، ارشاد ہوا کہ هٰذَا وَلَدُكَ لَوْلَاهُ لَمَا خَلَقْتُكَ۔ یہ تیرے فرزند ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ یہ سنتے ہی انھوں نے التجا کی۔ يَا رَبِّ بِحُرْمَةِ هٰذَا الْوَلَدِ اِرْحَمْ هٰذَا الْوَالِدَ۔ "اے میرے پروردگار اس فرزند جلیل کے طفیل میں اس کے باپ پر رحم فرما۔ ارشاد ہوا۔ اے آدم! اس کے وسیلہ سے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے لیے بھی تم دعا کرتے تو میں تمہاری دعا ضرور قبول کرتا۔

پانچویں حدیث

امام سیوطی نے تفسیر درمنثور میں، طبرانی نے معجم صغیر میں حاکم اور ابو نعیم نے دلائل میں ابن جوزی نے کتاب الوفا میں اور ابن عساکر نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انھوں نے عرشِ الٰہی کی طرف سر اُٹھا کر دعا کی کہ الٰہی بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف کر دے، ارشاد ہوا کہ محمد کو تم نے کیونکر پہچانا، عرض کیا کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا کہ اس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہے اس سے میں نے جانا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے اس سے زیادہ مقرب اور صاحب مرتبت اور کوئی تیرے دربار میں نہیں ہے۔ ارشاد ہوا۔ اے آدم! وہ تیری اولاد میں سب سے آخری نبی ہوں گے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو تجھے نہ پیدا کرتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جنت سے نکلتے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

کون ہیں۔ جبکہ اس سے پہلے والی حدیث میں ہے کہ انھوں نے خدا سے خود دریافت کیا کہ محمد کون ہیں۔ یہ سوال بتا رہا ہے کہ اس وقت تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف نہیں تھے۔ دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے اصولی طور پر ایک بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ہر سوال کا منشا ناواقفیت نہیں ہوتا۔ بعض مصلحتوں کی وجہ سے کبھی جانتے ہوئے بھی آدمی سوال کرتا ہے۔ اور وہ مصلحت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے قبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام کا علم ان کے اپنے قیاس پر مبنی تھا۔ اس لیے سوال سے حضرت آدم علیہ السلام کا مدعا یہ تھا کہ خود خداوند قدوس کے ذریعہ انھیں صراحت کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اس کے دربار میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کیا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے

اس موضوع پر حضرت مصنف نے اپنے علم و فضل کے جو گل و لبوٹے کھلائے ہیں وہ عشاق کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے قلب و روح کی فرحت و سرور کا بہترین سامان ہیں۔ ایمان و عقیدت کی آنکھ میسر آئے تو ذیل میں رفعت ذکر مصطفےٰ کے بصیرت افروز دلائل کا مطالعہ کیجیے۔

پہلی دلیل

قاضی عیاض کی کتاب الشفاء، صحیح ابن حبان، اور مسند ابی یعلیٰ میں حضرت ابو سعید خدری سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن جبریل امین میری خدمت میں حاضر ہوئے اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا ہے میں نے جواب دیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ آپ کا ذکر میں نے اس طرح بلند کیا ہے کہ جس وقت میں ذکر کیا جاتا ہوں آپ بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

marfat.com

مصنّف کتاب اس حدیث کے ذیل میں یہ ایمان افروز نکتہ سپرد قلم فرماتے ہیں:

ابن عطا کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایمان کا اتمام و اکمال اسی بات پر مقرر کیا گیا ہے کہ آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہو، اور یہ کہ آپ کا ذکر میرا ہی ذکر ہے۔ (انوار احمدی ص۱۹)

دوسری دلیل

آیت کریمہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ بغور سنو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے، کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، اور ابو الشیخ کے حوالہ سے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ کے ذکر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کا ذکر مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذکر محمد عین ذکرِ الٰہی ہے اور ذکر صحابہ عین ذکر محمد ہے کہ محمد کو اللہ نے سنوارا ہے اور صحابہ کو محمد نے آراستہ کیا۔

فائدہ

مصنف کتاب اسی مقام پر ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مجاہد نے بِذِكْرِ اللّٰه کی تفسیر میں بمحمد و اصحابہ جو کہا ہے ہر چند یہ ظاہر آیۃ شریفہ کا مناسب نہیں معلوم ہوتا مگر چونکہ ایک محدث جلیل القدر نے تفسیر کی ہے اس لیے اسے حسن ظن کے ساتھ مان لینا چاہیئے کہ یہ حضرات تفسیر بالرائے نہیں کرتے۔ یقیناً انھیں سماعی طور پر اس تفسیر کی روایت پہنچی ہوگی۔

(انوار احمدی ص۲۰)

marfat.com

تیسری دلیل

جامع صغیر اور اس کی شرح سراج المنیر میں حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبیوں کا تذکرہ ایک طرح کی عبادت ہے اور اولیاء اللہ کا ذکر گناہوں کے لیے کفارہ ہے اور موت کا ذکر صدقہ ہے اور قبر کا ذکر جنت سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔

فائدہ

حضرت مصنف اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

جب انبیاء علیہم السلام اور سائر اولیاء اللہ کا ذکر عبادت اور کفارۂ گناہ ٹھہرا تو سلطان الانبیاء والاولیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر کس درجہ کی عبادت اور گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ یقین ہے کہ اس ذکرِ پاک میں کچھ خصوصیت ایسی ضرور ہوگی جو دوسرے میں ہرگز نہ ہو سکے۔

(انوار احمدی ص۱۸)

چوتھی دلیل

مواہب لدنیہ میں یہ حدیث ثقہ راویوں سے نقل کی گئی ہے کہ قیامت کے دن حفاظِ قرآن کی ایک جماعت دوزخ میں ڈالی جائے گی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وان کے ذہن سے اللہ تعالیٰ بھلا دے گا یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب انھیں یاد دلائیں گے تو وہ حضور پاک صاحب لولاک کا ذکر کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فَتَخْمَدُ النَّارُ وَتَنْزَوِیْ مِنْهُمْ۔ حضور کے ذکر شریف کی برکت سے آگ بجھ جائے گی اور عذاب ہٹ جائے گا۔

marfat.com

مصنّف کتاب اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ذکرِ محمد ذکرِ الٰہی نہ ہوتا تو ذکر محمد سے اللہ کا عذاب ہرگز نہ ٹلتا۔

پانچویں دلیل

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں حافظ ابو طاہر سلفی اور ابن بکیر کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو بندے قیامت کے دن اللہ کے حضور میں کھڑے کئے جائیں گے۔ حکم ہوگا انھیں جنّت میں داخل کرو۔ وہ عرض کریں گے اے پروردگار! کس سبب سے ہم جنّت کے مستحق ٹھہرائے گئے حالانکہ اپنی زندگی میں ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا تھا جس کا بدلہ جنّت ہو۔ ارشاد ہوگا۔

اُدْخُلَا الْجَنَّةَ فَاِنِّیْ اَلَیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ اَنْ لَّا یَدْخُلَ النَّارَ مَنْ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ وَ لَا مُحَمَّدٌ۔	تم دونوں جنّت میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا وہ دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ

اس مقام پر حضرت مصنف ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے ایمان و عقیدت کی آنکھیں یوں ٹھنڈی کرتے ہیں۔

اگر کوئی شبہ کرے کہ بعض ملاحدہ اور بد عقیدہ لوگ بھی نام مبارک کے ساتھ وابستہ ہیں تو کیا دخول جنّت کا یہ پروانہ ان کے لیے بھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے سارے فضائل بلکہ جملہ اعمالِ حسنہ بغیر ایمان کے کچھ کام نہیں آتے۔ کیونکہ سب سے مقدم خُدا و رسول پر صحیح ایمان اور ان کی محبت ہے۔ جب یہی معاملہ ٹھیک نہ ہو تو

marfat.com

ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنّم کے سوا اور کہاں ہوگا۔ اس حدیث سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خدائے ذوالجلال کے دربار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے معظم و محترم ہیں کہ حضرت کے نام کی توہین بھی حق تعالےٰ کو گوارا نہیں۔"

(انوار احمدی ص۲۳)

چھٹی دلیل

محدث کبیر حضرت ابن عساکر کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت شیث علیہ السلام کو اپنے سامنے بٹھا کر یہ وصیّت فرمائی کہ میرے بعد تم میرے خلیفہ ہو۔ خلافت کی عمارت کو تقویٰ اور مضبوط رشتۂ عبودیت کی بنیاد پر استوار کرنا۔ جب اللہ کا ذکر کرنا تو اس کے ساتھ اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کرنا۔ کیونکہ میں نے ان کا نام مبارک عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا جب میرے قالب خاکی میں پہلی بار روح داخل ہوئی تھی۔

پھر میں نے تمام آسمانوں کی سیر کی اور ہر طرف گھوم پھر کر دیکھا مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نہ لکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں رکھا، وہاں کوئی محل، کوئی بالاخانہ، اور کوئی دروازہ ایسا نظر نہیں آیا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی نہ کندہ ہو، میں نے حوروں کے سینوں پر، جنت کے درختوں پر، شجر طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، عرشِ الٰہی اور حریم قدس کے پردوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کی پتلیوں میں ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک ستارے کی طرح جگمگاتا ہوا دیکھا ہے۔ اس لیے ایک لائق و فائق بیٹے کی طرح میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں کہ تم ایک لمحہ بھی ان کی یاد سے غافل نہ رہنا۔ عالم ملکوت والوں کو میں نے دیکھا ہے کہ انہی کے ذکر سے وہ اپنی توانائی حاصل کرتے ہیں۔

marfat.com

فائدہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ فکر انگیز تبصرہ توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس فرزند کو جو محبوب ترین اولاد اور خلیفہ تھے، وصیت کی کہ آنحضرت کا ذکر بکثرت کیا کریں۔ اس وصیت میں بظاہر دو فائدے ہیں۔ ایک خاص نفع ذاتی شیث علیہ السلام کا کہ ذکر کی بدولت حق تعالیٰ کے نزدیک ان کا تقرب بڑھے۔

دوسرا یہ کہ تمام اولاد کی بھلائی بھی مدنظر تھی۔ کیونکہ جب سب کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ انھوں نے اپنے پیارے فرزند ولیعہد کو ایسی وصیت کی ہے تو ان میں جو زیرک اور خلف الصدق (لائق بیٹے) ہوں گے، ضرور اس کام کی طرف رغبت کریں گے۔ اس پر اگر کسی ناخلف نے پدر مہربان کی وصیت کو لغو سمجھا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا۔

اب اس موقع پر ہمارے قارئین اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب انبیائے اولوالعزم نے ذکر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر اہتمام کیا ہو تو ہم امتیوں کو کس قدر اس کا اہتمام و التزام چاہیئے۔ کیوں کہ ہمارا تو دین و ایمان ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت ہے۔ (انوار احمدی ص۲۶)

ساتویں دلیل

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں حضرت ابونعیم کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے سراندیپ (جزیرہ ہند) میں اتارے گئے تو انھیں وحشت ہوئی۔ اللہ تعالےٰ

marfat.com

نے ان کے غم واندوہ کے ازالہ کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا۔ انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اذان دی جس سے ان کی وحشت دور ہوگئی۔

فائدہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف نے جو افادہ فرمایا ہے وہ اہل عشق و ایمان کے لیے حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں یہ اثر دیا گیا ہے کہ وحشت و اندوہ کو دفع کرے۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر کسی بداعتقاد قسیُّ القَلْب کے دل میں یہ اثر ظاہر نہ ہو تو یہ نہ سمجھیں کہ اس کی تاثیر میں فرق ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ محل میں صلاحیت نہیں جیسا کہ ساری دنیا کے اطباء معترف ہیں کہ جب محل میں صلاحیت قبول نہ ہو تو دوا کیسی ہی قوی الاثر کیوں نہ ہو کچھ تاثیر نہیں کرتی۔ (انوار احمدی ص۳۱)

آٹھویں دلیل

عہد صحابہ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ

مواہب لدنیہ میں ابن عدی، ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابو نعیم جیسے اکابر محدثین کے حوالہ سے ایک نہایت عقیدت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ایک انصاری نوجوان کا انتقال ہوا۔ ان کی ماں نہایت بوڑھی اور نابینا تھیں۔ انتقال کی خبر سن کر ہم لوگ ان کے گھر گئے اور نوجوان کے مردہ جسم کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ اس کی بوڑھی ماں کو جب ہم صبر کی تلقین کرنے لگے تو انھوں نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا ہمارا بیٹا انتقال کر گیا۔ ہم لوگوں نے جواب دیا ہاں! وہ انتقال کر گیا۔ یہ سن کر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ یہ دعا مانگی۔

marfat.com

اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ ھَاجَرْتُ اِلَیْکَ وَاِلٰی نَبِیِّکَ رَجَآءَ اَنْ تُعِیْنَنِیْ عَلٰی کُلِّ مُشَقَّۃٍ۔ فَلَا تَحْمِلَنَّ عَلَیَّ ھٰذِہِ الْمُصِیْبَۃَ۔

اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیری اور تیرے نبی کی طرف ہجرت اس امید پر کی ہے کہ تو ہر سختی میں میری مدد کرے گا تو میرے جوان بیٹے کا صدمہ میرے اوپر مت ڈال۔

اس واقعہ کے راویان چشم دید بیان کرتے ہیں کہ دعا کے یہ الفاظ جیسے ہی تمام ہوئے نوجوان کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا دیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا ہم سے باتیں کرنے لگا اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ اس وقت تک زندہ رہا کہ اس کی ماں کا انتقال اس کے سامنے ہوا۔

فائدہ

اس واقعہ کے ذیل میں موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی حسن عقیدت کی یہ لڑیاں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! کیسا قوی ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کا اُن بی بی صاحبہ کے دل میں متمکن تھا کہ بغیر سوچے ایسی نازک حالت میں بھی ان کی زبان پر آگیا۔ اور کیسا اعتقاد تھا کہ شک کو کچھ موقعہ ہی نہیں ملا۔ یہ عقیدہ اچھی طرح ان کے دل میں راسخ تھا کہ جب سب گھر بار چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرت ہی کے ہو رہے تو کیسی ہی مصیبت کیوں نہ ہو جب اس ذریعہ سے دُعا کی جائے گی تو موت بھی ہوگی تو ٹل جائے گی۔ (انوار احمدی ص۳۶)

جلالتِ شانِ مصطفےٰ کے رنگا رنگ جلوے

اس عنوان کے ذیل میں حضرت مصنف کے قلم کی روانی چشمۂ کوثر کی لہراتی

marfat.com

ہوئی موج بن گئی ہے۔ کہیں کہیں تو جذبۂ عقیدت کے تلاطم کی ایسی والہانہ کیفیت پیدا ہوگئی ہے کہ جی چاہنے لگتا ہے کہ نوک قلم کو آنکھوں سے لگالیں، ہونٹوں سے چومیں اور دل میں اتار لیں۔ مومنین کے قلوب کو سرور میں ڈبو دینے والی ایسی مرصع عبارتیں کہ والہانہ محبت کا نور سطر سطر سے ٹپک رہا ہے اور حقائق و معانی کی قدر و قیمت کا کیسا پوچھنا کہ عشق و اخلاص کی خوشبو سے الفاظ کے دامن تک مہک اٹھے ہیں۔ حضرت مصنف کے احساسات کے آئینے میں ایمان کا نقطۂ عروج دیکھنے کے قابل ہے۔

پچھلے اوراق میں بیان کردہ احادیث طیبات کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت مصنف رقمطراز ہیں:

ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو قدر و منزلت اور جو خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اس کا کچھ حساب و شمار نہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ منشا اور سبب اس کا کیا ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی تھے تو اتنا کافی تھا کہ مثل دوسرے رسول کے بعد ادا کرتے فرض منصبی یعنی تبلیغ رسالت کے مستحق تحسین ہوتے لیکن اس کے کیا معنیٰ کہ ہنوز عالم ہستی کا نام تک کسی کی زبان پر نہیں آیا تھا کہ لسان غیب سے آپ کی عظمت و نام آوری کے چرچے ہونے لگے۔

حضرت آدم نے جب عدم سے آنکھ کھولی تو پہلے پہل جس چیز پر نظر پڑی وہ آپ ہی کا نام نامی تھا جو خالق بے ہمتا کے ساتھ ہر جگہ جلوہ گر تھا۔ شجر خلد کا ہر پتہ گواہی دے رہا ہے کہ ان کی نظیر کا کہیں پتہ نہیں۔ ہر فرشتہ آپ کے ذکر میں رطب اللسان ہے اور بزبان حال "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کے ساتھ نغمہ سرا ہے۔ ایک طرف انبیائے اولوالعزم نعت گوئی میں مصروف ہیں تو دوسری طرف

marfat.com

آرزو اُمتی ہونے کی کوئی کر رہا ہے اور کوئی ان کے توسل سے مرادیں مانگ رہا ہے۔

معلوم نہیں قبل وجود کونسی جانفشانی آپ کی حق تعالیٰ کو ایسی پسند آگئی کہ اس قدر عزت افزائی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر جانفشانی پر اس کا مدار ہوتا تو انبیائے سابقین زیادہ تر مستحق ان مراتب کے تھے۔ معاذ اللہ یہاں عبودیت و عبادت کو کیا دخل! یہ تو ایک ایسی فضیلت خاص ہے جو قبل تخلیق عالم ان کے حق میں مقدر ہو چکی تھی وَذٰلِكَ فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

اب اگر بالفرض کوئی تمام ملائکہ اور جن وانس وغیرہ کے برابر عبادت کرکے یہ توقع رکھے کہ ہم بھی ایسا رتبہ حاصل کر سکتے ہیں تو کیا ممکن ہوگا؟ معاذ اللہ! یہ بھی ایک قسم کا جنون سمجھا جائے گا۔ کیونکہ خالق عالم جل شانہٗ ازل سے ابد تک کی فضیلت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر چکا۔

ازل کا حال تو کسی قدر معلوم ہوا، ابد کا حال بھی آئندہ معلوم ہو جائے گا کہ جنت کی کنجیاں بھی حضرت ہی کے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور جنت کی سلطنت حضرت ہی کو مسلم ہے۔ پھر یہ خیال کہ کسی دوسرے کو بھی حضرت کی سی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے، اس خدائی میں تو اس کا ظہور ممکن نہیں کیونکہ یہاں تو انحصار ازل اور ابد کا ہو گیا۔ اب اس سے زیادہ اس خیال میں خامہ فرسائی کرنا کلمات کفر کی حمایت کرنا ہے۔ کسی مسلمان کو طمع تو درکنار، خیال تک نہیں آسکتا کہ شرافت و فضیلت میں حضرت کے ساتھ برابری ڈھونڈھے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دوسرے شخص کا خاتم النبیین

marfat.com

ہونا محال ہے۔ (انوار احمدی ص۴۱)

عقیدۂ ختم نبوّت پر ایک فکر انگیز بحث

عقیدۂ خاتم النبیین پر حضرت مصنّف کے علمی دلائل، ایمانی شواہد اور بصیرت افروز کلمات کی شاندار بحث پڑھنے سے پہلے جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے شیخ محترم مولانا عبدالحمید کا یہ حاشیہ پڑھئے تاکہ بحث کے بنیادی گوشوں سے آپ پوری طرح باخبر ہو جائیں شیخ جامعہ تحریر فرماتے ہیں۔

تحذیر الناس نامی کتاب میں خاتم النبیین کے مسئلے پر (مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند) نے ایک فلسفیانہ بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"خاتم النبیین ہونا فضیلت کی بات نہیں۔ کسی کا مُقدّم زمانے یا متاخر زمانے یعنی اگلے اور پچھلے زمانے میں پایا جانا فضیلت سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور اگر بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی آجائے تو آپ کی فضیلت پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ کیونکہ خاتم النبیین ہونے میں امکان ذاتی کی نفی نہیں یعنی آپ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن ہے۔"

اس شبہ کا ازالہ حضرت مولانا مرحوم "مصنف کتاب" نے اپنے اس مضمون میں نہایت وضاحت کے ساتھ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"خاتم النبیین کا وصف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے جو آپ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ مختص ہے کسی اور میں پایا نہیں جا سکتا۔ خاتم النبیین کا لقب ازل ہی سے آپ کے لیے مقرر ہے۔ اس کا اطلاق آپ کے سوا کسی اور پر نہیں ہو سکتا کیونکہ خاتم النبیین کا مفہوم جزئی حقیقی ہے۔ جزئی حقیقی وہ ہے جس کا اطلاق ایک سے زائد پر عقلاً ممتنع ہے لہٰذا ایسی صورت میں کسی اور خاتم النبیین کا ذاتی امکان باقی نہ رہا۔

marfat.com

اسی مضمون کو حضرت نے تحذیر الناس کے جواب میں پھیلا کر تحریر فرمایا ہے اور اس میں وضاحت فرمائی ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کلام قدیم میں "خاتم النبیین" فرمایا ہے تو حضور ازل ہی سے اس صفت خاص کے ساتھ متصف ہیں۔ ایسا کوئی زمانہ نہیں جو باری تعالیٰ کے علم اور کلام پر مقدم ہو۔ اور اس میں کوئی اور شخص اس وصف سے متصف ہو سکے۔ پس خاتم النبیین کی صفت مختصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں منحصر ہے کسی دوسرے کا اس صفت کے ساتھ اتصاف محال ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ پڑھ کر ہر نئی بات کو خواہ حسنہ ہو یا سیئہ مستوجب دوزخ قرار دیا کرتے ہیں وہ اس سوال کا جواب دیں کہ کیا خاتم النبیین پر فلسفی بحث بدعت نہیں ہے۔ جو نہ قرآن میں ہے اور نہ اس کے بارے میں کوئی حدیث وارد ہے، نہ قرون ثلثہ میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے خاتم النبیین پر ایسی کوئی بحث کی ہے۔

مزید براں اس بدعت قبیحہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانی نے اس فلسفیانہ استدلال سے اپنی نبوت پر دلیل پیش کی اور شہادت میں مصنف تحذیر الناس کا نام پیش کیا۔ اب یہ مقدمہ مدعی اور گواہ کے ساتھ اسی بارگاہ میں پیش ہوگا جس نے اُمت کو تعلیم دی ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو۔ بلند کرو گے تو تمہارے سارے اعمال حبط کر دیئے جائیں گے۔

(محمد عبدالحمید شیخ الجامعہ نظامیہ انوار احمدی ص۴۲)

marfat.com

اس حاشیہ کے بعد اب حضرت مصنّف کی وہ زلزلہ فگن تنبیہات ملاحظہ فرمائیں جو لفظ خاتم النبیین کے سلسلے میں "تحذیر الناس" کے مصنّف کے خلاف انھوں نے صادر فرمائی ہیں :

پہلی تنبیہ

بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ دوسرے کا خاتم النبیین ہونا محال و ممتنع ہے مگر یہ امتناع لغیرہ ہوگا نہ بالذات! جس سے امکان ذاتی کی نفی نہیں ہوسکتی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصف خاتم النبیین خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو دوسرے پر صادق نہیں آسکتا اور موضوع لہٗ اس لقب کا ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ عند الاطلاق کوئی دوسرا اس مفہوم میں شریک نہیں ہوسکتا پس یہ مفہوم جزئی حقیقی ہے۔ صـ۴۲

دوسری تنبیہ

پھر جب عقل نے بہ تبعیت نقل خاتم النبیین کی صفت کے ساتھ ایک ذات کو متصف مان لیا تو اس کے نزدیک محال ہوگیا کہ کوئی دوسری ذات اس صفت کے ساتھ متصف ہو۔ اور بحسب منطوق لازم الوثوق مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ۔ ابدالآباد تک کے لیے یہ لقب مختص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ٹھہرا تو جزئیت اس مفہوم کی ابدالآباد تک کے لیے ہوگئی۔ کیونکہ یہ لقب قرآن شریف سے ثابت ہے جو بلاشک قدیم ہے۔ صـ۴۳

تیسری تنبیہ

اب دیکھا جائے کہ مصداق اس صفت کا کب سے معین ہوا سو ہمارا دعویٰ ہے کہ ابتدائے عالم امکان سے جس قسم کا بھی وجود فرض کیا جائے

marfat.com

ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت مختصہ کے ساتھ متصف ہیں کیونکہ حق تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرما چکا۔ اب کون سا ایسا زمانہ نکل سکے گا جو باری تعالیٰ کے صفت علم و کلام پر مقدم ہو۔ ص ۴۷

چوتھی تنبیہ

غیرت عشق محمدی بڑی چیز ہے۔ جب اسے جلال آتا ہے تو ایک زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اسے اپنے محبوب کی تنقیص ذرا بھی برداشت نہیں۔ مصنف کتاب باوجودیکہ بہت نرم طبیعت کے آدمی ہیں لیکن اس موقعہ پر ان کے قلم کا جلال دیکھنے کے قابل ہے۔ کسی اور خاتم النبیین کے امکان کے سوال پر ان کے ایمان کی غیرت اس درجہ بے قابو ہو گئی ہے کہ سطر سطر سے لہو کی بوند ٹپک رہی ہے۔ میدان وفا میں عشق کو سربکف دیکھنا ہو تو یہ سطریں پڑھئے۔

مصنف کتاب، تحذیر الناس کے مباحث کا محاسبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

اب ہم ذرا ان صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو کل بدعۃ ضلالۃ پڑھ پڑھ کر ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے۔ کیا اس قسم کی بحث فلسفی بھی کہیں قرآن و حدیث میں وارد ہے؟ یا قرون ثلثہ میں کسی نے کی تھی۔ پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہو کر کیا استحقاق پیدا کیا اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن پر ہوگا؟

دیکھئے حضرت جریر کی روایت سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالے تو اس پر جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے سب کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا

marfat.com

اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (رواہ مسلم)

لکھتے لکھتے اس مقام پر عشق و ایمان کی غیرت نقطۂ انتہا کو پہنچ گئی ہے غیظ میں ڈوبے ہوئے ان کلمات کو ذرا تیور ملاحظہ فرمایئے! تحریر فرماتے ہیں۔

بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا۔ کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت دکھی تھی جو طرح طرح کے شاخسانے نکالے گئے۔

یہ تو بتایئے کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلّم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔ جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دینِ اسلام میں نہ ملا تو فلاسفۂ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دودم (دو دھاری تلوار) ان سے لے کر میدان میں آ کھڑے ہوئے۔

پانچویں تنبیہ

افسوس ہے اس دُھن میں یہ بھی نہ سوچا کہ معتقدین سادہ لوح کو اس خاتم فرضی کا انتظار کتنے کتوئیں جھنکائے گا۔ مقلدین سادہ لوح کے دلوں پر اس تقریر نامعقول کا اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت میں کسی قدر شک پڑ گیا۔ چنانچہ بعض اتباع نے اس بنا پر الف لام خاتم النبیین سے یہ بات بنائی کہ حضرت صرف ان نبیوں کے خاتم ہیں جو گزر چکے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کے بعد بھی انبیاء پیدا ہوں گے اور ان کا خاتم کوئی اور ہوگا۔

marfat.com

معاذ اللہ اس تقریر نے یہاں تک پہنچا دیا کہ قرآن کا انکار ہونے لگا ذرا سوچئے تو کہ حضور کے خاتم النبیین ہونے کے سلسلے میں یہ سارے احتمال حضور کے روبرو نکالے جاتے تو حضور پر کس قدر شاق گزرتا۔

چھٹی تنبیہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر حضور کی حالت کس قدر متغیر ہوگئی تھی کہ چہرۂ مبارک سے غضب کے آثار پیدا تھے۔ اور باوجود اس خلق عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے ان کے لیے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید، عمرو کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔	جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو لعنت کرے گا اللہ ان پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے ذلت کا عذاب۔

انوار احمدی ص۵۲

marfat.com

درود و سلام کی نورانی بحث

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف نے صفحۂ قرطاس پر علم و حکمت اور عشق و عرفان کے ایسے قیمتی جواہر بکھیرے ہیں کہ ان کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ درود و سلام بارگاہِ رسالت میں تقرب کا ایک نہایت موثر ذریعہ ہے اس لیے مصنف کتاب نے اس بحث کو علمی نوادرات اور عقیدۂ و اخلاص کے محرکات سے اتنا آراستہ کیا ہے کہ اس کے بے لاگ مطالعہ کے بعد دلوں کو والہانہ محبت کی وارفتگی سے بچا لینا مشکل ہے۔ الا آنکہ کسی کے دل ہی پر سیہ بختی کی مہر لگ گئی ہو۔

حضرت مصنف نے درود و سلام کے سلسلے میں بحث کے اتنے نئے نئے گوشے پیدا کئے ہیں کہ ان کے ذہنی تجسس اور فکر کی نکتہ آفرینی پر حیرت ہوتی ہے۔

آنے والے صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ مصنف اس طبقے سے پوری طرح باخبر ہیں جو درود و سلام کا مخالف ہے یا دوسرے لفظوں میں درود و سلام کو فروغ دینے والی روایات و محرکات کا دشمن ہے۔

درود شریف کے فوائد و برکات اور فضائل و مناقب پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت رقمطراز ہیں:

درود شریف کی برکت سے فقر و تنگدستی دور ہوتی ہے۔ پردۂ غیب سے رزق کے بہت سے دروازے کھلتے ہیں۔ درود شریف کا ورد رکھنے والا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ درود و سلام ایک مرشد کی طرح قلوب کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ورد رکھنے والے کو گناہوں کی آلودگی اور نفس کی شرارت سے محفوظ رکھتا ہے

marfat.com

اس کا ثواب پہاڑوں کے برابر صدقہ دینے اور غلام آزاد کرنے کے مثل ہے۔ درود شریف گناہوں کو مٹاتا ہے اور نیکیوں کے ذخیرے کو بڑھاتا ہے۔ درود پڑھنے والا مرنے سے پہلے دیکھ لیتا ہے کہ جنت میں اس کا کہاں ٹھکانہ ہے۔ قیامت کی ہولناک گھڑی میں درود شریف پڑھنے والے کو عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا اور ہول اور دہشت سے نجات پائے گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و قربت اسے میسر آئے گی۔ اور آخرت کی سرفرازی اور کامیابی اسے حاصل ہوگی۔ درود شریف کا ورد رکھنے والا قبر کی وحشت سے محفوظ رہے گا اور حق تعالیٰ کے غضب سے امن پائے گا۔ (انوار احمدی ص۵۴)

درود شریف کے اہتمام کی ضرورت

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کثرت سے ہو۔ اسی لیے جملہ مومنین کو درود شریف پڑھنے کا امر فرمایا۔ اور وہ بھی اس خوبی کے ساتھ کہ میں خود بھی اس کام میں مشغول ہوں اور تمام ملائکہ بھی مشغول ہیں لہٰذا اے ایمان والو تمہیں بھی چاہیئے کہ تم بھی اسی کام میں مشغول رہو۔

مطلب یہ ہے کہ جب خود خداوند قدیر اور اس کے تمام فرشتے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت درود بھیجتے ہیں تو بطریق اولیٰ تمہیں چاہیئے کہ پوری جانفشانی اور دلدہی کے ساتھ تم اس کام میں مشغول رہو کیونکہ تم اس نبی کے امتی بھی ہو اور اس کے احسان کے نیچے تمہارا بال بال دبا ہوا بھی ہے۔

اُمت کی مغفرت و نجات کے لیے اگر اپنے رسول کے گریۂ شب

marfat.com

اور مناجات سحر کا شکریہ تم پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ ان کے ذکر میں رطب اللسان رہو۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک طرف امتی ہونے کا بھی دعویٰ ہے اور دوسری طرف ان کے ذکر سے گریز کا راستہ بھی تلاش کرتے ہو۔

اس کے بعد مصنف کتاب نے درود شریف کے فضائل پر دو حیرت انگیز اور ایمان افروز حدیثیں پیش کی ہیں۔

فضائلِ درود شریف پر دو ایمان افروز حدیثیں

پہلی حدیث

کنز العمال کی روایت کے مطابق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل امین نے مجھے خبر دی ہے کہ جو امتی آپ پر درود پڑھتا ہے اس کے بدلے میں حق تعالیٰ دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹاتا ہے اور دس بار اس کے درجے بلند کرتا ہے اور ایک فرشتہ درود پڑھنے والے کے حق میں وہی الفاظ کہتا ہے جو وہ آپ کے حق میں کہتا ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ وہ فرشتہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے وہ فرشتہ اس کام پر مقرر ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر درود پڑھے وہ فرشتہ جواب میں کہے کہ تجھ پر بھی خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔

فائدہ

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب ایک عجیب و غریب نکتہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اب دیکھئے درود شریف پڑھنے کا حکم ۲ھ میں صادر ہوا لیکن درود پڑھنے کا صلہ دینے کے لیے وہ فرشتہ پہلے ہی سے موجود ہے۔

اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں درود شریف

marfat.com

کی کیسی قدر و قیمت ہے اور اس کی عظمتِ شان کے اظہار کے لیے حق تعالیٰ نے کتنا اہتمام کیا ہے۔ اور اس حدیث کے مضمون سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حکم سے پہلے درود شریف پڑھنے والے بھی موجود ہوں گے اور وہ فرشتے ہیں۔ (ص ۵۸)

دوسری حدیث

سونے کا قلم چاندی کی دوات، اور نُور کا کاغذ

مصنّف کتاب تحریر فرماتے ہیں کہ

امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ آنکھیں بند کئے ہوئے درود شریف پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران اُنھیں محسوس ہوا کہ جو درود شریف وہ پڑھ رہے ہیں کوئی لکھنے والا اسے کاغذ پر لکھ رہا ہے جب انھوں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو وہ غائب ہو گیا۔

اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث کنز العمال میں حضرت دیلمی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ مخصوص فرشتے ہیں جو جمعہ کی رات اور دن کے وقت آسمان سے نازل ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں سونے کا قلم، چاندی کی دوات اور نور کے کاغذ ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جانے والا درود شریف لکھتے رہیں۔

اس حدیث کی عربی عبارت یہ ہے:

بِاَیْدِیْھِمْ اَقْلَامٌ مِّنْ ذَھَبٍ	ان کے ہاتھوں میں سونے کے قلم
وَدَوِیٌّ مِّنْ فِضَّۃٍ وَقَرَاطِیْسُ	چاندی کی دواتیں اور نور کے کاغذ
مِنْ نُّوْرٍ لَا یَکْتُبُوْنَ اِلَّا	ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ

marfat.com

اَلصَّلٰوۃَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جانے والا درود شریف لکھتے ہیں۔

درود شریف کا ایک رقت انگیز واقعہ

مصنف کتاب نے طبرانی کے حوالے سے ایک نہایت رقت انگیز واقعہ نقل کیا ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گھر سے نکلے جب مدینے کے ایک چوراہے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک دیہاتی اپنے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے سامنے سے چلا آرہا ہے۔ جب وہ حضور کے قریب پہنچا تو اس طرح سلام عرض کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ حضور نے اس کے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔

اسی درمیان ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ دیہاتی میرا اونٹ چرا کر لیے جا رہا ہے۔ اس پر اونٹ نے اپنے منہ سے ایک آواز نکالی جسے سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ تو میرے سامنے سے دفع ہو جا ——— اونٹ خود گواہی دے رہا ہے کہ تو جھوٹا ہے۔

جب وہ چلا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس دیہاتی سے فرمایا کہ جس وقت تو میری طرف آرہا تھا اس وقت تو کیا پڑھ رہا تھا۔ اس نے عرض کیا میرے باپ آپ پر قربان ہوں۔ اُس وقت میں یہ درود شریف پڑھ رہا تھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنَ الصَّلٰوةِ شَیْءٌ، اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا یَبْقٰی مِنَ السَّلَامِ شَیْءٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنَ الْبَرَكَةِ شَیْءٌ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ

marfat.com

مُحَمَّدًا حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنَ الرَّحْمَةِ شَیْءٌ۔

یہ سن کر حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تیرے منہ سے نکلے ہوئے درود کے الفاظ وصول کرنے کے لیے آسمانوں سے اتنے فرشتے نازل ہوئے کہ مدینہ کے آسمان کا سارا افق فرشتوں سے بھر گیا۔

اس حدیث سے مصنف کتاب نے استدلال کیا ہے کہ درود شریف پڑھنے کے وقت آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور حضور کو پڑھنے والے کے منہ سے درود شریف کے نکلے ہوئے الفاظ تک نظر آتے ہیں۔

حضور کے دربار میں درود وسلام کس طرح پہنچتا ہے

مصنف کتاب نے اس عنوان کے تحت بیان فرمایا ہے کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں تین طریقوں سے درود وسلام پہنچتا ہے۔

پہلا طریقہ

یہ ہے کہ رحمت کے فرشتے منہ سے نکلے ہوئے درود وسلام کے الفاظ لے کر عرش الٰہی کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ راستے میں جس فرشتے پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتا ہے۔

صَلُّوْا عَلٰی قَائِلِهَا كَمَا صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(القول البدیع۔ مسالک الحنفاء)

یعنی اس درود پڑھنے والے کے لیے بھی اسی طرح رحمت کی دعا کرو جس طرح اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا ہے۔

جب بارگاہ رب العزت میں وہ درود وسلام پیش کرتے ہیں تو حکم ہوتا ہے:

اِذْهَبُوْا بِهَا اِلٰی قَبْرِ عَبْدِیْ یَسْتَغْفِرُ لِقَائِلِهَا وَیَقَرُّ بِهَا عَیْنَهٗ۔

(رواہ الدیلمی عن ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

marfat.com

یعنی اس درود کو میرے محبوب کی قبر شریف کی طرف لے جاؤ اور ان کے سامنے پیش کرو تاکہ وہ درود پڑھنے والے کے لیے دعائے مغفرت کریں اور اس درود شریف کے ذریعہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد مصنف کتاب تحریر فرماتے ہیں:

اس اہتمام اور فضل کو دیکھئے کہ قبل اس کے کہ ہدیۂ درود بارگاہ مرجع عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہو، حق تعالیٰ صرف بہ نظر عزت افزائی اسے اپنی بارگاہ میں طلب فرماتا ہے۔ اور اس ارشاد کے ساتھ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں روانہ فرماتا ہے کہ اس کے بھیجنے والے کو بدعائے خیر یاد فرمائیں۔ سبحان اللہ! عنایت واکرام کا کیسا عظیم الشان ذریعہ قائم کیا گیا کہ اب تک کسی کو نصیب نہیں ہوا کہ ہم لوگ درود پڑھیں تو ہمارا ذکر خیر عالم ملکوت میں ہونے لگے۔ ص۶۶

دوسرا طریقہ

یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم درود وسلام کا تحفہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں براہِ راست خود پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں حضرت عبدالرحمٰن ابنِ عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اس مضمون کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں۔

مَامِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ	میری وفات کے بعد تم میں سے جو
اِذَامِتُّ اِلَّا جَآءَنِيْ سَلَامُهٗ	شخص بھی مجھ پر سلام بھیجے گا اسے
مَعَ جِبْرَئِيْلُ وَيَقُوْلُ	جبریل امین اپنے ساتھ لے کر میرے
يَا مُحَمَّدُ هٰذَا فُلَانُ ابْنُ	پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے
فُلَانٍ يَقْرَاُكَ السَّلَامُ	کہ فلاں ابن فلاں نے آپ پر یہ سلام
فَاَقُوْلُ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ	بھیجا ہے میں جواب میں کہوں گا کہ اس

marfat.com

وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ۔	پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت و برکتیں نازل ہوں۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ خاص ایک فرشتہ اسی خدمت پر مامور ہے کہ وہ روئے زمین کے طول و عرض میں پیش کئے جانے والے درود و سلام کا تحفہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ جیسا کہ کنز العمال میں امام طبرانی کی روایت سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے جس کے اصل راوی حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضور نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

يَا عَمَّارُ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَكًا	اے عمار اللہ کا ایک فرشتہ ہے
اَعْطَاهُ سَمَاعَ الْخَلَائِقِ وَ	جسے اللہ نے جملہ مخلوقات کی آواز
هُوَ قَائِمٌ عَلٰى قَبْرِيْ اِذَا	سننے کی قدرت عطا کی ہے اور وہ
مِتُّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَيْسَ	میرے انتقال کے بعد میری قبر پر
اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ صَلّٰى عَلَيَّ	قیامت تک کھڑا رہے گا اور میرا
صَلٰوةً اِلَّا يُسَمِّيْ بِاسْمِهٖ	جو اُمّتی مجھ پر درود پڑھے گا وہ
وَاسْمِ اَبِيْهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ	اس کے نام اور ولدیت کے ساتھ
صَلّٰى فُلَانٌ عَلَيْكَ كَذَا	اس کا بھیجا ہوا درود مجھ تک پہنچائے گا
وَكَذَا فَيُصَلِّي الرَّبُّ عَلٰى	اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے ہر درود کے
ذٰلِكَ الرَّجُلِ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ	بدلے میں اس پر دس رحمتیں نازل
عَشْرًا ۔	فرمائے گا۔

کنز العمال میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی نقل ہوئی ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا:

اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ فَاِنَّ	مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کہ
اللّٰهَ وَكَّلَ لِيْ مَلَكًا عِنْدَ	اللہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر
قَبْرِيْ فَاِذَا صَلّٰى	مقرر کیا ہے۔ جب میرا کوئی اُمّتی مجھ

marfat.com

رَجُلٌ مِّنْ اُمَّتِیْ قَالَ ذٰلِكَ الْمَلَكُ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ صَلّٰی عَلَیْكَ السَّاعَةَ۔

(دیلمی)

پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ اے محمد فلاں کے بیٹے فلاں نے ابھی آپ پر درود پڑھا ہے۔

تیسرا طریقہ

یہ ہے کہ ہر اُمتی کا درود و سلام حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود اپنے گوشِ مبارک سے سُنتے ہیں۔ جیسا کہ امام طبرانی کے حوالہ سے محدثِ کبیر ابن حجر مکی نے اپنی مشہور کتاب الجوھر المنظم میں حضور کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُهٗ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِیْ فَاِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ۔

جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ فرمایا ہاں میری وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ نے انبیاء کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔

سماعت نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال

حضرت فاضل مصنف یہ ساری حدیثیں نقل کرنے کے بعد سماعتِ نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

جب اتنی حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قرب و بعد یکساں ہیں اور وہ آنِ واحد میں ہر شخص کی آواز برابر سنتے ہیں

marfat.com

تو اب اہلِ ایمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطۂ علمی میں شک کا کیا موقع ہوگا۔ اس لیے کہ مبنیٰ شک و انکار کا یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفۃ لازم آتا ہے (یعنی اگر حضور کے بارے میں دور سے سننے کا عقیدہ رکھا جائے تو خدا کے ساتھ برابری لازم آجائے گی۔ لیکن جب فرشتے دور سے ہر شخص کا درود و سلام سُن لیتے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ صفت خدا کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس نے یہ صفت اپنی مخلوق کو بھی عطا کی ہے) پھر جب آنحضرت کے خدام میں یہ صفت بطریقِ اولیٰ اور بدرجہ اتم موجود ہو۔ جیسا کہ حدیث ماسبق میں خود حضور نے اس کی صراحت فرما دی ہے کہ جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اس کی آواز خود سنتا ہوں تو حضور کے احاطۂ علمی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ (منہ)

ایک شبہ کا نہایت نفیس جواب

فاضل مصنف نے ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے نہایت شاندار بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب اپنے غلاموں کا درود و سلام حضور خود سنتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کا درود و سلام پہنچانے کے لیے پھر فرشتے کیوں مقرر کیے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخر حق تعالیٰ کے حضور میں بھی تو بندوں کے اعمال بذریعۂ ملائک ہی پیش ہوتے ہیں حالانکہ وہ عالم الغیب ہے۔ بندوں کے سارے اعمال و افعال سے وہ باخبر ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ بذریعۂ ملائک اعمال پیش کیے جانے کی وجہ لاعلمی نہیں بلکہ سطوت شاہانہ اور شوکت حاکمانہ کا اظہار ہے۔ یہی حکمت فرشتوں کے ذریعہ درود و سلام کی پیشی میں بھی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور کی قبر شریف کے پاس بھی اگر کوئی شخص درود و سلام پیش کرتا ہے تو اسے بھی حضور تک فرشتے ہی پہنچاتے ہیں اس سے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت کا اظہار مقصود ہے۔ جیسا کہ

marfat.com

حدیث شریف میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ۔

مَامِنْ عَبْدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا يُبَلِّغُنِيْ وَكَفٰى اَمْرَ اٰخِرَتِهٖ وَدُنْيَاهُ وَكُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو بندہ بھی میری قبر کے پاس مجھے سلام کرتا ہے۔ اس کا سلام مجھ تک وہ فرشتہ پہنچاتا ہے جو اس کام کے لیے مقرر ہے۔ اس کا سلام دنیا و آخرت کی جملہ مہمات کے لیے کافی ہے اور میں قیامت کے دن اس پر گواہی دوں گا۔

(کنز العمال)

اس کے علاوہ سلام پہنچانے پر بہت سے فرشتے مامور ہیں جو ہمیشہ اسی تلاش میں پھرا کرتے ہیں۔ اور جہاں کسی نے سلام عرض کیا فوراً حضور کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ مسالک الحنفا میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے:

قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ عَنْ اُمَّتِيَ السَّلَامَ۔

اللہ کے بہت سے فرشتے ہیں جو ہر وقت زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور میرا جو اُمتی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے وہ اس کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

(احمد، نسائی، دارمی، بیہقی)

پس معلوم ہوا کہ جیسے درود شریف پہنچانے کے دو ذریعے ہیں اسی طرح سلام پہنچانے کے بھی دو ذریعہ ہیں۔ ایک حضرت جبریل دوسرے یہ ملائکہ سیاحین۔ اس کے بعد حضرت مصنف نے درود شریف کی فضیلت میں دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو نہایت عظیم الشان ہیں

پہلی حدیث

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص میرے حق کی تعظیم و تکریم کی نیت سے

marfat.com

مجھ پر درود پڑھتا ہے حق تعالیٰ اُس کلمہ سے ایک ایسا عظیم الجثہ فرشتہ پیدا کرتا ہے جس کا ایک بازو مشرق میں ہوتا ہے اور دوسرا بازو مغرب میں اور پاؤں تحت الثریٰ میں اور عرشِ الٰہی کے نیچے اس کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندے کے حق میں تو بھی رحمت و مغفرت کی دعا مانگ جس طرح اس نے میرے پیارے نبی پر درود بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ فرشتہ قیامت تک اس بندے کے حق میں رحمت و مغفرت کی دُعا کرتا رہے گا۔

(روایت کیا اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں اور ابن شاہین نے ترغیب میں)

دوسری حدیث

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہ حق تعالیٰ نے مجھے وہ رتبے دیئے ہیں جو کسی نبی کو نہیں ملے۔ اور مجھ کو سارے نبیوں پر فضیلت دی۔ اور میری اُمّت کے لیے اعلیٰ درجے مقرر فرمائے کہ وہ مجھ پر درود پڑھتے ہیں اور متعین فرمایا میری قبر کے پاس ایک فرشتہ جس کا نام متوشش ہے وہ اتنا طویل القامت اور عظیم الجثہ ہے کہ اس کا سر عرشِ الٰہی کے نیچے اور اس کا پاؤں تحت الثریٰ میں ہے۔ اور اس کے اسّی ہزار بازو ہیں، اسی ہزار پَر ہیں۔ اور پَر کے نیچے اسّی ہزار رونگٹے ہیں۔ اور ہر رونگٹے کے نیچے ایک زبان ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے۔ اور اس شخص کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہے جو میرا امتی مجھ پر درود پڑھے۔ یہ حدیث حضرت معاذ ابن جبل سے مروی ہے۔

(روایت کیا اسے ابن بشکوال نے)

ان حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد حضرت مصنّف تحریر فرماتے ہیں۔

شاید اتنے بڑے فرشتوں کا وجود مستبعد سمجھا جائے تو میں سوال کروں گا کہ استبعاد کی وجہ کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ ایسے عظیم الجثہ فرشتوں کے پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ قاصر کہنا تو عقلاً اور نقلاً دونوں

marfat.com

اعتبار سے باطل اور محال ہے۔ کیونکہ خدا کی قدرتِ تخلیق کے لیے چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی مخلوق دونوں برابر ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کر کے لفظ کُن کہا اور وہ چیز فوراً وجود میں آ گئی۔ (ص ۸۰)

---

marfat.com

صلوٰۃ کے معنیٰ کے تعین میں ایک شاندار علمی بحث

حضرت فاضل مصنّف نے اپنی کتاب میں صلوٰۃ کے معنی کی تفسیر میں ایک نہایت شاندار علمی بحث فرمائی ہے جو اہلِ ایمان کے لیے قابلِ دید ہے۔

پہلا معنیٰ

خطیب شربینی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ لغت میں صلوٰۃ کے معنیٰ دُعا کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اَیْ اُدْعُ لَهُمْ۔ آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے یعنی اُن کے لیے دعا کیجئے۔ اور دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ بیشک آپ کی صلوٰۃ یعنی آپ کی دُعا ان کے لیے تسکین کا موجب ہے۔ اور بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اَلْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّیْ عَلٰی اَحَدِكُمْ مَّا دَامَ فِی الصَّلٰوةِ مَا لَمْ یُحْدِثْ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص بھی جب تک درود پڑھنے میں مصروف رہتا ہے جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو اس کے حق میں فرشتے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

اس حدیث پاک اور آیاتِ قرآنی سے واضح ہو گیا کہ صلوٰۃ کے معنی دُعا کے ہیں

marfat.com

دوسرا معنیٰ

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر صلوٰۃ کے معنیٰ دُعا کے لیے جائیں تو ایسی صورت میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے معنی یہ ہوں گے کہ اے اللہ تو دعا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنیٰ خدا کی جناب میں صادق نہیں آتے کیونکہ دُعا مانگنا بندوں کا کام ہے نہ کہ خدا کا۔ اس لیے صلوٰۃ کے معنیٰ رحمت کے ہیں۔ جیسا کہ شرح مواہب لدنیہ میں ہے۔ قال المبرد الصلوٰۃ مِنَ اللّٰہِ الرَّحْمَۃُ وَ الْاِنْعَام۔ یعنی اللہ کی طرف سے صلوٰۃ کے معنی رحمت اور انعام کے ہیں۔
امام سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں ھُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ کی تفسیر میں ایک حدیث قدسی نقل فرمائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
اِنَّ صَلٰوتِیْ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ میری صلوٰۃ سے مراد میری رحمت ہے جو میرے غضب پر غالب ہے۔

اور امام باقر حلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے الصلوٰۃ من اللہ عزوجل ھی رحمۃ ومن الملئکۃ الاستغفار ومن الامۃ الدعاء جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو اس سے رحمت مراد ہوگی اور جب ملائکہ کی طرف ہوگی تو اس سے استغفار مراد ہوگا اور جب اُمت کی طرف ہوگی تو اس سے دُعا مراد ہوگی۔

تیسرا معنیٰ

صلوٰۃ کے تیسرے معنیٰ تعظیم وثنا کے ہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:
قال ابوالعالیۃ صَلٰوۃُ اللّٰہِ ثَنَاءُہٗ عَلَیْہِ عِنْدَ الْمَلٰٓئِکَۃِ۔
حضرت ابوالعالیہ نے کہا کہ نبی پر اللہ کی صلوٰۃ سے مراد نبی کی ثنا بیان کرنا ہے فرشتوں کے مجمع میں۔
امام قسطلانی کی صراحت کے مطابق یہی معنیٰ ابن قیم کے نزدیک بھی پسندیدہ ہیں

marfat.com

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابنِ قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں کئی دلیلیں اس بات پر قائم کی ہیں کہ صلوٰۃ کے معنیٰ رحمت کے نہیں ہو سکتے ۔ ان کے دلائل کی تفصیل یہ ہے ۔

پہلی دلیل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰت ہیں اور رحمت ہے ۔ یہاں رحمت کا عطف صَلَوٰات پر ہے اور یہ بات اہلِ زبان کے نزدیک مسلّم ہے کہ عطف مغائرت کو چاہتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کے معنی رحمت کے نہیں ہو سکتے ۔

دوسری دلیل

علماء کی صراحت کے مطابق صلوٰۃ انبیاء و رسل کے ساتھ خاص ہے اور ان کے واسطہ سے عامۂ مومنین بھی اس میں شامل ہیں لیکن رحمت کا مفہوم اتنا عام ہے کہ وہ مومن و غیر مومن، انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے ۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ صلوٰۃ اور رحمت دو الگ الگ چیزیں ہیں ۔

تیسری دلیل

اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوں تو جن لوگوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے چاہیئے کہ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ سَيِّدِنَا مُحَمَّدًا وَّاٰلَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ۔ اے اللہ رحمت نازل فرما ہمارے آقا محمد اور ان کی آل پر کہنے سے واجب ادا ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جب تک اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ نہ کہا جائے واجب ادا نہ ہوگا ۔

marfat.com

چوتھی دلیل

عرب کے عرف کے مطابق اگر کسی نے کسی پر رحم کر کے کھانا کھلا دیا تو زبان عرب میں اسے رَحِمَہٗ کہا جاتا ہے۔ یعنی اس نے اس پر رحم کیا۔ صلی عَلَیْہِ نہیں کہا جا سکتا۔ دیکھئے یہاں رحمت کا مفہوم صادق آتا ہے لیکن صلوٰۃ کا نہیں اس لیے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ اور رحمت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

پانچویں دلیل

اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوں تو آیۃ شریفہ ان اللّٰہ وملٰئکتہٗ کے معنیٰ یہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت نازل کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لہٰذا اے ایمان والو تم بھی دعا کرو ان کے لیے۔ وجدان سلیم گواہی دیتا ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے کلام کے اوّل و آخر کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اگر صلوٰۃ کے معنی تعظیم وثنا کے ہوں تو آیت کا مضمون مربوط ہو جائے گا۔ اللہ اور فرشتوں کی ثنا رتو ظاہر ہے لیکن مومنین کی صلوٰۃ بصورت دعا بھی ثناد کو متضمن ہو گی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حق تعالیٰ سے ثنا رطلب کرنا بھی ایک طرح کی ثنا ہے۔

چوتھا معنی

بعض لوگوں نے کہا کہ صلوٰۃ سے مراد مغفرت ہے۔ جیسا کہ امام قسطلانی اپنی کتاب مسالک الحنفاء میں تحریر فرماتے ہیں اِنَّ صَلٰوۃَ اللّٰہِ مَغْفِرَتُہٗ یعنی اللہ کی صلوٰۃ سے مراد اللہ کی مغفرت ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کی ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس سے اس دعوے پر انھوں نے استدلال کیا ہے۔

marfat.com

فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا۔

ھٰذَا السَّلَامُ قَدْ عَرَفْنَاہُ	سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں اب صلوٰۃ
فَکَیْفَ الصَّلٰوۃُ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ	کا طریقہ کیا ہوگا جبکہ خداوند قدوس نے
لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ	آپ کے سارے اگلے پچھلے امور بخش
وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ	دیئے۔ فرمایا اس حکم کی تعمیل میں
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔	اللّٰھم صل علیٰ محمد کہا کرو۔

اس حدیث میں صحابۂ کرام کے سوال سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے صلوٰۃ کے لفظ سے مغفرت کے معنیٰ سمجھا۔ اس لیے انھیں تردد ہوا کہ مغفرت کرنے کا کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے پھر بندوں کو مغفرت کا حکم دینے کا کیا مطلب ہوگا۔ یا اس لیے انھیں تردد ہوا کہ سورۂ فتح کی مشہور آیت کریمہ کے ذریعہ مغفرت کا پروانہ تو حضور کو مل چکا اب دوبارہ مغفرت کا مطلب کیا ہوگا۔ اس لیے صلوٰۃ کے امتثال میں انھیں سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی اور حضور کے فرمان کے بعد اسے امتثالاً لامر صحابۂ کرام نے قبول کر لیا۔

ایک ایمان افروز حدیث

نوید مغفرت کے سلسلے میں حضرت فاضل مصنّف نے قاضی عیاض کی کتاب الشفاء سے ایک ایسی روح پرور حدیث نقل فرمائی ہے کہ جس سے دل کی بیماریوں کو شفا ملتی ہے۔ اور حضور کی جلالتِ شان مہر نیمروز کی طرح سب پر روشن ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

وہ بیان کرتے ہیں حضور نے ارشاد فرمایا کہ ایک موقعہ پر جبکہ میں رب العزۃ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ ارشاد ہوا اے محمد! کچھ سوال کرو۔ میں نے عرض کیا میں کیا سوال کروں میرے پروردگار! تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ کو اپنی

marfat.com

ہمکلامی کا شرف بخشا، اور حضرت نوح کو برگزیدہ کیا۔ اور حضرت سلیمان کو ایسی سلطنت عطا فرمائی کہ ان کے بعد ایسی سلطنت کسی اور کو سزاوار نہیں۔ ارشاد ہوا جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے وہ ان سب سے بہتر ہے۔

میں نے تمہیں کوثر دیا، اور تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا کہ وہ آسمان میں ہر طرف پکارا جاتا ہے۔ اور تمہارے لیے اور تمہاری اُمّت کے لیے میں نے ساری روئے زمین کو طیب و طاہر بنایا اور تمہارے اگلے اور پچھلے امور بخش دیئے اب تم ایک مغفور کی شان کے ساتھ زمین پر چل رہے ہو۔ تم سے پہلے ان عنایات بیکراں کا کوئی بھی حامل نہیں بن سکا۔ اور تمہاری اُمّت کے دلوں کو میں نے اپنی جلوہ گاہ بنایا اور تمہیں شفاعت کے اس منصب جلیل پر فائز کیا کہ یہ درجہ اب تک کسی نبی کو نہیں مل سکا۔

اس مہکتی ہوئی اور چمکتی ہوئی حدیث کی خوشبو سے آپ کے قلوب معطّر اور آپ کی آنکھیں منوّر ہو گئی ہوں تو اب پھر اسی سلسلۂ بحث کی طرف پلٹ آیئے کہ صلوٰۃ کے کیا معنی ہیں۔

فیصلہ کُن بات

ان ساری تفصیلات کے بعد حضرت فاضل مصنّف صلوٰۃ کے معنی کے سلسلے میں ایک فیصلہ کن بات تحریر فرماتے ہیں۔

ان سب اقوال سے مقصود یہ ہے کہ کمال تعظیم اور خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک سمجھی جاوے اور عُلوِّ شان اور رفعتِ منزلت درود شریف کی ثابت ہو۔ یہاں تک کہ جنہوں نے صلوٰۃ سے رحمت مُرادلی ہے اُن کا بھی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ رحمت عامہ ہے۔ بلکہ وہ رحمت مُراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص کی گئی ہے جیسا کہ زرقانی نے اسی قسم کا جواب اس اعتراض کا دیا

marfat.com

جو صاحبِ مواہب نے صلوٰۃ و رحمت میں مغائرت کو ثابت کرنے کے لیے آیت کریمہ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ سے استدلال کیا ہے۔ ص۸۸

ایک بصیرت افروز نکتہ

حضرت فاضل مصنف نے حکم صلوٰۃ کے سلسلے میں ایک عظیم الشان نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم احکام خداوندی کا جائزہ لو تو تم پر یہ حقیقت واضح ہو گی کہ جہاں جہاں بھی کوئی حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل میں بندوں کی طرف سے کسی فعل کا صدور ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر نماز کے حکم کی تعمیل میں قیام رکوع اور سجدے کئے جاتے ہیں اور روزہ کے حکم کے امتثال میں بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ بخلاف درود شریف کے کہ حکم صلوٰۃ کی تعمیل میں کوئی کام نہیں کیا جاتا بلکہ اسی لفظ کو خدا کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اے اللہ تو ان پر صلوٰۃ بھیج۔

یہ بلاشبہ ایسا ہی ہے جیسے بنی اسرائیل نے قتال کے حکم کے جواب میں خداوند قدوس اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ کہا تھا۔ تم دونوں خود لڑو ہم تو یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔

لیکن یہاں بنی اسرائیل کی طرح باغیانہ سرکشی یا حکم کی تعمیل سے انکار نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ "صَلٰوۃ عَلَی النَّبِی" کا مطلب جب رفع درجات اور اعتنائے شان مصطفےٰ ہے تو بندوں میں اس کا یارا کہاں! اب حکم سے عہدہ برآ ہونے کی صورت سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے بندے خود رب العزت سے درخواست کریں کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اے اللہ! تو ہی اپنے پیارے نبی کی شان بلند فرما اور ان کی عزت و تکریم میں بے پایاں ترقی عطا کر کہ تو ہی اس کی قدرت بھی رکھتا ہے

marfat.com

اور اپنے نبی کے رتبے سے بھی واقف ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی کے علمی نکتہ سے استفادہ

حضرت فاضل مصنف نے تفسیر تاویلات القرآن کے حوالہ سے امام ابو منصور ماتریدی کا ایک علمی نکتہ سپرد قلم فرمایا ہے۔

امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک حقیقت ثابت و موجود ہے۔ لیکن اُن میں سے بعض چیزوں کا وجود محسوس ہوتا ہے اور بعض چیزوں کا وجود عام انسانوں کی قوت ادراک سے ماوراء ہے۔ اور ہر شے کی حقیقت اپنا ایک مخصوص تشخص رکھتی ہے اور اسی بنیاد پر وہ دوسری شے کی حقیقت سے ممتاز ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر احادیث کی صراحت کے مطابق موت کی صورت دنبے کی ہے جو قیامت کے دن ذبح کی جائے گی۔ اور نیل و فرات نام کی دو نہریں جو زمین پر بہتی ہیں ان کا منبع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب بچشم خود ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ کلمۂ الحمد للہ قیامت کے دن میزان کو بھر دے گا اور کلمۂ سبحان اللہ اور کلمۂ اللہ اکبر زمین و آسمان کی وسعتوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور نماز ایک نور ہے۔

اسی طرح حضور نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں حضرت جبریل امین چت کبرے رنگ کے گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس آئے۔ یہ ساری چیزیں وہ ہیں جن کا وجود حق تعالیٰ کے نزدیک ثابت و موجود ہے لیکن ان کا مشاہدہ عام انسانوں کی قوت ادراک سے بالاتر ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد مصنف کتاب نے اپنے ایمانی احساسات کی جوت جگاتے ہوئے اپنے علمی کمالات کے وہ جواہرات بکھیرے ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

marfat.com

اسی طرح درود شریف کا حال بھی سمجھنا چاہیئے کہ وہ ایک ممتاز شے ہے اور وجود اس کا اس عالم کے جنس سے نہیں ہے اور نہ ادراک اس کا حواس جسمانیہ سے ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے اور تعجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ بھی لیتے ہوں۔ کیونکہ ملکوت و لاہوت اور دوسرے عالم کی اشیاء جن تک ہماری قوت و ادراک کی رسائی دشوار ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس و مشاہد تھیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے کہ قیامت کے دن کی اشیاء کو حضور یہاں سے ملاحظہ فرماتے تھے (ص ۹۲)

اپنے اس دعوے پر کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن تک ہماری قوت ادراک کی رسائی نہیں ہو سکتی لیکن حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی غیبی قوت ادراک سے ان کا مشاہدہ فرماتے ہیں، حضرت فاضل مصنف نے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اب ذیل میں اُن دلائل کے مطالعہ سے اپنے ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی کیجیے۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی پہلی دلیل

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں خانۂ کعبہ کے قریب تھا کہ بیت المقدس میرے سامنے پیش کیا گیا۔ اب اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَیْہِ وَاِلٰی مَا فِیْہِ وَلَقَدْ رَاَیْتُ جَھَنَّمَ وَاَھْلَھَا فِیْھَا وَاَھْلَ الْجَنَّۃِ فِی الْجَنَّۃِ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلُوْھَا کَمَا اَنْظُرُ اِلَیْکُمْ۔

میں اُسے اور اس کے اندر کی چیزوں کو دیکھنے لگا۔ اور میں نے جہنم اور اہل جہنم کو بھی دیکھا۔ اسی طرح میں نے جنت اور اہل جنت کو بھی دیکھا قبل اس کے کہ وہ جنت میں داخل ہوں۔ اور ان

marfat.com

(رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس)

ساری چیزوں کو میں نے بالکل اسی طرح دیکھا جیسے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔

مکہ میں بیٹھ کر بیت المقدس کا مشاہدہ کرنا اور اس دنیا میں رہ کر جنّت و دوزخ کے مناظر دیکھنا، عام انسانوں کی قوت ادراک سے ماوراء ہے۔ یہ شان صرف پیغمبر کی ہے۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی دوسری دلیل

حضرت عُقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال کے بعد شہدائے احد پر نماز پڑھی۔ اس وقت حضور پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ جیسے کوئی کسی کو رخصت کر رہا ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا۔

میں تمہارا میر منزل ہوں۔ میں تمہارے ایمان و اعمال کا مُشاہد ہوں۔ اور تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَیْہِ وَاَنَا فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا اور میں یہیں سے کھڑے کھڑے اسے دیکھ رہا ہوں وَقَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین)

غور فرمایئے! ان میں سے کونسی چیز ایسی ہے جن کا ہم اپنے حواس کے ذریعہ ادراک کر سکتے ہیں لیکن پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ علمی دیکھئے کہ اُن کی نگاہ پر کوئی حجاب حائل نہیں ہے۔ وہ اسی جہانِ آب و گل سے عالمِ غیب کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی تیسری دلیل

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنِّیْ

marfat.com

اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ ۔ میں غیب کی وہ ساری چیزیں دیکھتا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ ساری آوازیں سنتا ہوں جنھیں تم نہیں سن سکتے ۔ فرشتوں کے بوجھ کی وجہ سے میں آسمان کے چرچرکرنے کی آواز بھی سنتا ہوں۔کیونکہ آسمان میں چار انگل بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو۔

(رواہ الترمذی، ابن ماجہ)

اس حدیث میں بھی نہایت صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہماری قوت ادراک اور نبی کی قوت ادراک میں کتنا عظیم فرق ہے ۔

امام سیوطی کی روایت کردہ ایک حدیث

اسی سلسلہ کے ساتھ امام سیوطی کی یہ روایت بھی نظر میں رکھئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ علمی اور غیبی قوت ادراک کا صحیح اندازہ لگ جائے گا۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ برستے ہوئے بارش کے ساتھ اتنے کثیر فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں کہ ان کی تعداد جن وانس کے سارے افراد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ بارش کا ہر قطرہ شمار کر لیتے ہیں اور انھیں اس کی بھی خبر ہوتی ہے کہ کون قطرہ کہاں گرے گا اور اس سے جو سبزہ اُگے گا اسے کون کھائے گا۔ (الحبائک فی انباء الملائک)

حضور کی غیبی قوت ادراک کی چوتھی دلیل

ابن اثیر نے اپنی کتاب اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حضرت انس نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک انصاری نوجوان سامنے آیا حضور نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے کس حال میں صبح کی۔ عرض کیا اس حال میں کہ میں سچا ایمان رکھتا ہوں۔ فرمایا بات سمجھ کر کہو کہ ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے ؟ بتاؤ ؟ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے ۔

marfat.com

عرض کیا میں نے اپنے آپ کو لذائذ دنیوی سے علیٰحدہ کر لیا ہے۔ راتیں بیداری میں گزارتا ہوں اور دن بھوک اور پیاس کی حالت میں۔ اب میری قوت مشاہدہ کی کیفیت یہ ہے کہ گویا میں عرش رب العلمین کو دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا یہ دیکھ رہا ہوں کہ اہلِ جنت آپس میں ملاقاتیں کر رہے ہیں اور اہلِ نار دوزخ میں چیخ رہے ہیں فرمایا اسی حالت پر قائم رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کو ایمان کے نور سے منوّر کر دیا ہے۔ اپنی طرف اس نے عنایت کریمانہ کو متوجہ دیکھا تو فوراً درخواست پیش کی کہ میرے لیے شہادت کی دُعا فرمایئے۔ حضور نے اس کی درخواست قبول کی اور اس کے حق میں شہادت کی دُعا فرمائی۔

ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک معرکہ پیش آیا جیسے ہی جہاد کے لیے منادی ہوئی سب سے پہلے وہ نوجوان اپنے گھر سے نکلا۔ میدان کارزار میں پہنچا تو شہادت کے جذبۂ شوق میں سب سے پہلے مجاہدین کی صف سے نکل کر وہی دشمن کے مقابلے پر آیا اور کچھ دیر تک اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کے بعد گھائل ہو کر زمین پر گرا اور شہادت کی نعمت سے سرفراز ہوا۔

جب اس کی شہادت کی خبر ماں تک پہنچی تو وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو نہ میں آنسو بہاؤں گی اور نہ اس کی جدائی کا مجھے کوئی غم ہوگا۔ اور اگر دوزخ میں ہے تو عمر بھر روتی رہوں گی۔ جواب عنایت فرمایا اے ام حارثہ! جنت ایک نہیں بلکہ بہت سی ہیں، اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ یہ سنتے ہی ان کا چہرہ خوشی سے کھل گیا اور واہ حارثہ واہ حارثہ! کہتی ہوئی وہ واپس لوٹ گئیں۔

اس حدیث سے جہاں حضور کی غیبی قوت مشاہدہ پر روشنی پڑتی ہے کہ مدینے میں بیٹھے بیٹھے حضور نے حارثہ کو فردوس اعلیٰ میں دیکھ لیا وہیں یہ حقیقت بھی اجاگر ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام بھی حضور کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ جنت و دوزخ سب حضور پر روشن ہے اور مدینے میں بیٹھے بیٹھے حضور بتا سکتے ہیں کہ کون جنت

marfat.com

میں ہے اور کون جہنّم میں۔ کیونکہ حضور کی غیبی قوت ادراک کے بارے میں اگر ان کا مثبت عقیدہ نہ ہوتا تو وہ حضور سے اس طرح کا سوال ہی نہ کرتے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بی بی صاحبہ کا سوال سن کر حضور نے بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ان کا سوال اپنے محل میں صحیح تھا۔

اس حدیث سے یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور کے فیضان صحبت اور اعجاز نگاہ سے صحابۂ کرام کی قوت ادراک بھی عالمِ غیب کے مشاہدہ کی استعداد سے آراستہ ہو گئی تھی۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی پانچویں دلیل

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر افطار کے پے در پے دو روزے رکھنا شروع کئے جب صحابۂ کرام کو معلوم ہوا تو وہ بھی حضور کی پیروی میں اسی طرح کا روزہ رکھنے لگے جب ان کے ضعف و نقاہت سے حضور کو ان کے روزے کا علم ہوا تو حضور نے ارشاد فرمایا لَا تُوَاصِلُوْا اس طرح کا روزہ مت رکھو۔ اس کے بعد حضور نے ان کے اس جذبۂ شوق پر تسکین کا مرہم رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ وَیُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں اس حال میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔" اس کے بعد فاضل مصنّف ارشاد فرماتے ہیں۔

اس کھانے پینے کی حقیقت دوسروں کو کیا معلوم ہو سکے۔ اگر وہ ہمارے کھانے پینے کی جنس سے ہوتا تو صوم وصال ہی کیوں کہا جاتا اور لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ کیوں فرماتے اور تعجب نہیں کہ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ سے اسی کی طرف اشارہ ہو۔ ص۹۲

marfat.com

آیت کریمہ کے نکات

حضرت فاضل مصنف نے آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ سے متعلق ایسے ایسے نادر و گرانمایہ نکات سپرد قلم فرمائے ہیں کہ صفحۂ قرطاس پیراہن گل کی طرح مہکنے لگا ہے پڑھئے اور سر دھنئے! ارشاد فرماتے ہیں۔

پہلا نکتہ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ "بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے درود بھیجنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے تو انھیں اپنی طرف منسوب کر کے اپنا فرشتہ کہا ہے حالانکہ دیکھا جائے تو سارے فرشتے اللہ ہی کے ہیں۔ اور جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے کا ذکر کیا ہے وہاں صرف فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ فرمایا ہے یعنی سارے فرشتوں نے انھیں سجدہ کیا۔ وہاں فرشتوں کی اضافت اپنی طرف نہیں فرمائی ہے۔

اس انداز بیان سے دربار خداوندی میں حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام تقرب کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنے اپنے ہیں کہ جو فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں وہ بھی اپنے ہو گئے۔ یہ شان صرف محبوب ہی کی ہو سکتی ہے کہ جسے ان کی طرف کسی طرح کی نسبت حاصل ہو جائے وہ بھی محبوب ہو جائے۔

اس نکتے کے بعد حضرت مصنف کا یہ غفلت شکن تازیانہ ملاحظہ فرمائیں:

marfat.com

اب ہم اُن حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر چنداں ضروری نہیں ہے کہ کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے۔ کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لیے اپنا صلوٰۃ بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی دل میں متمکن ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن جب ان کے دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جو قدردانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور یہ بالکل منافی دعوائے عظمت کبریائی ہے۔

اس کے بعد غیرت حق میں ڈوبے ہوئے الفاظ کا یہ تیور ملاحظہ فرمایئے!

میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور ان کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح جس کے دل میں درود و سلام کی وقعت نہ ہو اس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے۔ اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔

اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہوئی جیسے کفار مکہ حق تعالیٰ کو خالق ارض و سما کہتے تھے مگر بت پرستی اور اس کے لوازم ان کے اس قول کو باطل کئے دیتے تھے۔ (ص ۱۰۱)

اور حضرت مصنف کی تنبیہات کا یہ حصہ بھی دیدۂ انصاف سے پڑھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں۔

marfat.com

بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہ کونین جن سے ہر طرح کی امیدیں وابستہ ہیں ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف قصور ہو بلکہ مخالفت میں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ حضور کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں شرعی قباحت لازم آجائے گی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔ (ص۱۰۱)

دوسرا نکتہ

آیۂ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یعنی بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں کلام کا آغاز اِنَّ سے ہوا ہے عربی زبان میں لفظ اِنَّ ازالہ شک کے لیے آتا ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ تھے جن کے شک اور تردد کو اس کلام قدیم میں ملحوظ رکھا گیا ہے اور اِنَّ کے ذریعہ ان کے تردد اور شک کا ازالہ کیا گیا ہے۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ جس زمانے میں اس آیت کریمہ کا نزول ہوا اُس وقت تین ہی گروہ تھے۔ پہلا گروہ صحابہ کرام کا تھا، دوسرا گروہ کھلے کفار و مشرکین کا تھا اور تیسرا گروہ منافقین کا تھا جو اندر سے کافر و منکر اور اوپر سے مدعی اسلام تھے۔ قرآن اور صاحبِ قرآن پر صحابہ کا ایمان اتنا پختہ اور مستحکم تھا کہ وہاں شک اور تردد کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ اب رہ گئے کھلے کفار تو وہ سرے سے اس آیت کریمہ میں مخاطب ہی نہیں ہیں اس لیے ان کے انکار و شک کے ازالہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب لے دے کے منافقین ہی کا طبقہ ایسا ہے کہ ایک طرف وہ قرآن پر ایمان لانے کے بھی مدعی تھے اور دوسری طرف اپنے دلوں میں کفر و انکار کا عقیدہ بھی چھپا کر رکھتے تھے۔ اب چاہے اس دور کے منافقین ہوں یا بعد میں آنے والے اس قماش کے لوگ ہوں، اس آیت کریمہ میں اُنہی لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جب سب کا حاکم و مالک اور

marfat.com

اس کے تمام فرشتے دائماً درود میں مشغول ہیں تو سلطنت الٰہیہ کی وفادار رعایا کا فرض کیا ہونا چاہیئے۔ اور اس کے محبوب کی عظمت کس قدر ان کے دلوں میں راسخ ہونی چاہیئے اور کس درجہ درود و سلام کا انھیں اہتمام کرنا چاہیئے۔ پھر ملا اعلیٰ کی پیروی کا استحقاق تو اپنی جگہ پر ہے لیکن صراحت کے ساتھ دربار سلطانی سے حکم بھی صادر ہو گیا تو اب لیت ولعل کی کیا گنجائش رہ گئی۔

اتنی تاکید در تاکید کے بعد بھی اگر نبی کی عظمت کے آگے کسی کا دل نہ جھکے تو سمجھ لیجیئے کہ اس کے انجام پر بدبختی کی مہر لگ گئی۔

تیسرا نکتہ

آیۃ کریمہ میں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (اے ایمان والو) کے اوّلاً بالذات مخاطب مومنین صحابہ ہیں اور وہی لوگ اس خطاب کی لذّت سے بھی واقف ہیں اور درود شریف کی عظمت کو بھی جانتے ہیں۔ ان کے علاوہ قیامت تک پیدا ہونے والے اہلِ اسلام ان کے طفیلی ہیں۔ یہیں سے یہ شناخت بھی قائم ہو گئی کہ جن کے دلوں میں درود سلام کی عظمت نہیں ہے وہ اس خطاب کے اہل ہی نہیں ہیں۔

ہم تو بہرحال انھیں اہل نہیں سمجھتے لیکن مقام عبرت یہ ہے کہ وہ بھی اپنے آپ کو یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا مخاطب نہیں گردانتے۔ کیونکہ اگر وہ لوگ اپنے آپ کو اس کا مخاطب سمجھتے تو درود و سلام کا ہرگز انکار نہیں کرتے چاہے بیٹھ کر پیش کرنے کا موقعہ ہو یا کھڑے ہو کر، ایسے لوگ اگر اس آیت کریمہ کی تصدیق بھی کریں تو انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مخالفت و انکار کے ساتھ تصدیق قلبی ہرگز مفید نہیں ہے۔ جب خدا نے درود و سلام کو کسی ہیئت خاص کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے جواز کے لیے بیٹھنے کی قید لگائیں اور کھڑے ہو کر پڑھنے سے انکار کریں۔ جبکہ ہمارا مشرب یہ ہے کہ ہم دونوں ہیئتوں میں سے کسی ہیئت کو نہ فرض کہتے ہیں، نہ واجب نہ حرام بلکہ جس درجۂ اطلاق میں حکم الٰہی

marfat.com

ہے اسی درجہ میں اسے رکھتے ہیں۔ دراصل بحث کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب کوئی کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کو حرام کہنے لگتا ہے۔

چوتھا نکتہ

بخاری شریف میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کے سامنے عرض کیا لَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا مِنْ نَّفْسِیْ۔ حضور! بلاشبہ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے اپنی جان کے۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے عرض کیا وَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ قسم ہے اس ذات کبریا کی جس نے آپ پر کتاب اُتاری اب آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد فرمایا اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔ سبحان اللہ ایک ہی بول میں دل کی گرہ کھل گئی۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان والے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ پھر جسے یہ سعادت نصیب ہے اُسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ درود و سلام میں کس درجہ اہتمام کرنا چاہیئے۔

کیونکہ درود و سلام بھی ایک دُعا ہے جس کے ذریعہ نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خداوند قدوس سے علوِ شان اور رفعت مکان کی دُعا کی جاتی ہے۔ اور فطرتِ انسانی کا دستور یہ ہے کہ آدمی سب سے پہلے اپنی جان کے لیئے دُعا کرتا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو اقتضائے فطرت انسانی درود شریف کو اپنی جان کے لیے کی جانے والی دعا پر بھی مقدم رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو یا تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے یا وہ خود اپنی جان کا دشمن ہے۔ دونوں میں سے کوئی بات بھی ہو ہلاکت اس کا مقدر ہے۔

marfat.com

درود بھیجنے کے مواقع

حضرت فاضل مصنّف نے صراحت فرمائی ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز کے اوقات معین فرمائے ہیں ویسے ہی درود شریف کے اوقات بھی معین فرمائے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اوقات نماز کا تعین تواتر سے ثابت ہے اور درود شریف کے اوقات کا تعین اخبار آحاد سے ہے۔ گو اس طرح کی تمام حدیثیں الگ الگ خبر واحد ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کا جائزہ لیا جائے تو تواتر معنوی یہ بات ضرور ثابت ہو جائے گی کہ درود شریف کی کثرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت پسند ہے۔ علامہ سخاوی نے بھی اپنی موقر کتاب القول البدیع میں درود و سلام کی کثرت کو اہلِ سنّت ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔

اب ذیل میں وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں درود شریف کے اوقات کا تعین فرمایا گیا ہے۔

پہلی حدیث

محدث طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی اس شخص کا وضو نہ ہوگا جو وضو کرتے وقت نبی پر درود نہ بھیجے۔ اس حدیث میں وضو کی نفی سے وضوئے کامل کی نفی مراد ہے۔

دوسری حدیث

حضرت امام فاکہانی نے اپنی گرانقدر تصنیف الفجر المنیر میں حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

marfat.com

فرمایا لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّایُصَلِّیْ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جو حضور پر درود نہ بھیجے۔ اس حدیث میں بھی نماز کی نفی سے مراد نماز کامل کی نفی ہے۔

تیسری حدیث

بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ ساری کتب صحاح میں حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشَرًا۔

جب تم اذان سنو تو جواب میں مؤذن کے کلمات کو دہراؤ۔ پھر جب اذان ختم ہو جائے تو مجھ پر درود پڑھو کر جو مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھے گا اس پر اللہ تعالیٰ دس بار اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔

چوتھی حدیث

حضرت علامہ زرقانی نے حضرت ابو سعید سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مجلس میں لوگ بیٹھیں اور اس میں درود شریف نہ پڑھیں تو وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی پچھتائیں گے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کَانَ عَلَیْہِمْ حَسْرَۃً وَاِنْ دَخَلُوا الْجَنَّۃَ۔ جنت میں داخلے کے بعد پچھتاوا اس لیے ہوگا کہ وہ وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ درود شریف پڑھنے پر کیسے کیسے اجر و ثواب کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے جسے حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے۔ جس میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس مجلس میں لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کریں لیکن اپنے نبی پر درود و سلام نہ بھیجیں تو ایسی مجلس ضرور ان کے واسطے نقصان

marfat.com

کا باعث ہوگی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ کَانَ ذٰلِکَ الْمَجْلِسُ عَلَیْہِمْ تِرَۃً۔
دلوں میں کچھ بھی خوفِ آخرت ہو تو ان احادیث کی روشنی میں اُن لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو مجالس ذکر میں درود و سلام کا اتنی شدّت کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ جیسے ہی لوگ درود و سلام پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے وہ وحشی جانوروں کی طرح مجالس سے بھاگنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان احادیث کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف میلاد کی محافل ہی میں نہیں بلکہ ہر مجلس میں نبی پر درود و سلام پڑھنا دارین کی سعادت ہے۔

پانچویں حدیث

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ ۔ اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

چھٹی حدیث

امام سیوطی نے جامع صغیر میں، اور ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی نے جامع کبیر میں حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا کان بجنے لگے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود پڑھے اور اس کے بعد یہ الفاظ کہے۔ ذَکَرَ اللّٰہُ مَنْ ذَکَرَنِیْ بِخَیْر۔ اللہ اُسے یاد کرے جس نے خیر کے ساتھ مجھے یاد کیا۔

ساتویں حدیث

المواہب اللدنیہ میں حضرت ابو مُوسیٰ المدینی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

marfat.com

سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا:

إِذَا نَسِيتُمْ شَيْئًا فَصَلُّوا عَلَيَّ تَذْكُرُوهُ إِنْشَاءَ اللّٰهُ

جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود پڑھو انشاء اللہ وہ چیز تمہیں درود شریف کی برکت سے یاد آجائے گی۔

آٹھویں حدیث

زاد المعاد میں حضرت اوس ابن اوس سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن انھوں نے انتقال کیا اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اُسی دن لوگوں پر بیہوشی طاری ہوگی۔ اس لیے جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ کیونکہ تمہارا درود اس دن میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد ہمارا درود آپ کے سامنے کیونکر پیش کیا جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے اس لیے ہر نبی اپنی قبر میں زندہ ہے اور اسے روحانی غذا دی جاتی ہے۔

امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اتنا اضافہ کیا ہے 'مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اس لیے کہ أَوَّلُ مَنْ تُسْئَلُونَ فِي الْقَبْرِ عَنِّيْ قبر میں سب سے پہلے میرے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔

چند مقامات کی اور نشاندہی امام سخاوی کے قلم سے

درود شریف پڑھنے کے ان مواقع کے علاوہ حضرت امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اسی مواقع اور گنائے ہیں اور ہر موقعہ کو احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے۔

marfat.com

ان میں سے خاص خاص مقامات کی ذیل میں نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) تہجد کے لیے اُٹھتے وقت (۲) کسی مسجد میں داخل ہونے کے وقت (۳) جب مردہ قبر میں اتارا جائے (۴) جب کعبہ شریف پر نظر پڑے (۵) حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت (۶) عرفات میں دوپہر کے بعد (۷) جب مدینہ کا مقدس شہر نظر آنے لگے۔ (۸) حضور کے تبرکات کی زیارت کا موقعہ ہو (۹) جب سونے کا ارادہ کریں (۱۰) سفر کے لیے نکلتے وقت (۱۱) سواری پر سوار ہوتے وقت (۱۲) جب اپنے گھر میں داخل ہو۔ (۱۳) غم، سختی یا کسی مُصیبت کا سامنا ہو (۱۴) دعا کے شروع اور اخیر میں (۱۵) جب پاؤں سو جائے (۱۶) جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو (۱۷) جب کوئی حاجت پیش آجائے۔ (۱۸) گناہ سے توبہ کرتے وقت (۱۹) جب کسی پر تہمت لگا دی اور وہ اس سے پاک ہو۔ (۲۰) ختم قرآن کے بعد (۲۱) جب قلم سے حضور کا نام مبارک لکھیں (۲۲) جب دینی کتابوں کے سبق کا آغاز ہو۔

حاصلِ بحث

ان ساری حدیثوں سے یہ بات تواتر معنوی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ درود شریف کی کثرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پسند ہے اور حضور اپنی اُمّت کو دنیا و آخرت میں درود شریف کی لامحدود برکتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں اور مالکِ کائنات کی خوشی بھی اسی میں ہے کہ ملأ اعلیٰ کی طرح زمین کی سطنت میں بھی درود و سلام کے ملکوتی نغموں کی دھوم ہر وقت مچتی رہے۔

فاضل مصنف کی ایک عبرت آموز نصیحت

اس بحث کے خاتمے پر حضرت مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان کی ایک عبرت آموز نصیحت انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔

صرف ایک یا دو بار درود شریف ادائے فرض کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہو جائے مسلک اہلِ سنّت و جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خلاف مرضیٔ حق تعالیٰ بھی ہے اعاذنا اللہ من ذالک (ص ۱۳۹)

marfat.com

سلام کی بحث

اس عنوان کے ذیل میں فاضل مصنف نے عشق وعقیدت اور علم وفضل کے ایسے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں کہ ان کی خوشبو سے کاغذ کا پیراہن تک معطر ہو گیا ہے۔ ان مہکتے ہوئے پھولوں کی روش سے گزرتے ہوئے اہلِ ایمان کے کیف وسرور کا کیا عالم ہو گا اسے ہم اپنے قارئین کرام کے باطنی احوال کے حوالہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

سب سے پہلے حیرت ومسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سلام کے موضوع پر ان علمی نکات کا مطالعہ کیجئے جن سے بدبختیوں کی ساری گرہیں کھل جائیں گی۔

پہلا نکتہ

کتاب الشفاء میں حضرت قاضی عیاض کی صراحت کے مطابق السلام علیک کے معنی یہ ہیں کہ تم سلامت رہو یا ہم تمہارے فرماں بردار اور راضی برضا ہیں۔

اس اجمال کے بعد اب تفصیل کی طرف آیئے۔

جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں اپنے مخاطب کو یقین دلاتا ہے کہ میری طرف سے تمہاری سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسی لیے مخاطب پر بھی واجب ہے کہ وہ اُن ہی الفاظ میں جواب دے کر اپنی طرف سے بھی اپنے مخاطب کو سلامتی کا یقین دلائے۔

چنانچہ عرب کے بدویوں تک میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ جب وہ کسی کو سلام کرتے ہیں یا سلام کا جواب دیتے ہیں تو اب اسے کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچاتے اور جب ضرر پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو نہ سلام کرتے ہیں اور نہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس

marfat.com

سے معلوم ہوا کہ "سلام" دل کے اخلاص و محبت کا ترجمان ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں اب بحث کا یہ رُخ سمجھئے کہ جو اُمّتی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں یقین دلاتا ہے کہ نبی کی عزّت و حرمت میری طرف سے بالکل محفوظ ہے۔ میں کوئی ایسا اقدام نہیں کروں گا جس سے نبی کی عظمت کو ٹھیس پہنچے۔ اور جو سلام سے انکار کرتا ہے یا سلام کرنے میں پس و پیش کرتا ہے وہ دوسرے لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ اپنے نبی کی طرف سے اس کے دل کا ارادہ اچھا نہیں ہے۔

آپ اخلاص کے ساتھ آیت کریمہ کے الفاظ پر غور فرمائیں تو یہ نکتہ اور واضح ہو جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ پس اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جس طرح سلام بھیجنے کا حق ہے۔

غور فرمایئے اس آیت پاک میں اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف صرف درود کی نسبت ہے لیکن مومنین سے درود کا بھی مطالبہ ہے اور سلام کا بھی۔ آپ گہرائی میں اُتریں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو گی کہ جس سے خطرہ ہوتا ہے وہیں تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور جہاں سرے سے کوئی خطرہ نہیں ہے وہاں کسی طرح کی پیش بندی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

ظاہر ہے کہ نبی کی عزّت و حرمت کو نہ اللہ کی طرف سے کوئی خطرہ ہے اور نہ فرشتوں کی طرف سے۔ خطرہ جو کچھ بھی ہے وہ انسانوں کی طرف سے ہے۔ اس لیے درود کے ساتھ ساتھ ان سے سلام کا مطالبہ بھی ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی کو سلام کر کے تم اس بات کا اعلان کرو کہ تمہاری طرف سے نبی کی عزّت و حرمت کو کوئی ٹھیس نہیں

marfat.com

پہنچے گی۔

اب کوئی اُمتی نبی کا دل سے جاں نثار ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ نبی کو سلام کرنے سے گریز نہیں کرے گا بلکہ سلام کرنے کے لیے اگر جنگ کی نوبت آگئی تو اس مرحلہ سے بھی وہ گزر جائے گا لیکن نبی کی طرف جن کے دل کے ارادے اچھے نہیں ہیں وہ یا تو سلام کرنے سے صاف انکار کردیں گے یا حالات کا دباؤ پڑا تو گریز کا راستہ اختیار کریں گے۔ سلام تو التحیات میں بھی پڑھا جاتا ہے لیکن بالکل آہستہ پڑھا جاتا ہے اس لیے وہاں دل کی بیمارلیوں کی شناخت بہت مشکل ہے کہ اس نے سلام پڑھا یا نہیں؟ لیکن بآواز بلند سلام پڑھتے وقت دلوں کی چوری مشکل ہی سے چھپے گی۔ کچھ بعید نہیں کہ بآواز بلند سلام کی ترویج میں یہی مصلحت ہمارے ائمہ واکابر کے پیش نظر ہو۔ واللہ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

دوسرا نکتہ

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) میں تشریف لے گئے۔ یکایک حضور کی پیشانی سجدہ ریز ہوگئی۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اسی حالت میں حضور انتقال تو نہیں فرما گئے۔ کافی دیر کے بعد جب حضور نے سجدے سے سر اٹھایا تو میں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل امین ابھی میرے پاس تشریف لائے تھے۔ انھوں نے خداوند ذوالجلال کی طرف سے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ مَنْ صَلّٰی عَلَیْكَ صَلَّیْتُ عَلَیْہِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَیْكَ سَلَّمْتُ عَلَیْہِ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ) کہ جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں سلام کے ساتھ اس کا جواب دوں گا۔

فاضل مصنف اس حدیث کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کس قدر حیرت و مسرت

marfat.com

کی بات ہے کہ سلام کرنے والے خدا کے حبیب کو سلام کرتے ہیں اور سلام کا جواب مرحمت فرماتا ہے مالک بے نیاز۔ اس سے محبوب و محب کے درمیان اُس غایتِ قرب کا پتہ چلتا ہے جو بندوں کے فہم و ادراک سے ماورا ہے۔ محبوب و محب کے درمیان ایسا رشتہ وہیں متصور ہے جہاں اپنائیت نقطۂ انتہا پر پہنچ گئی ہو۔ کسی بندے کی اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوند ذوالجلال اسے سلام کرے۔ اپنے نبی کی جلالتِ شان پر نثار ہو جانے کی بات ہے کہ ان کے صدقہ میں اُمّت کو کس کس اعزاز سے پروردگار نے نوازا ہے۔

مصنف کتاب نے اپنے قارئین کو متنبہ کیا ہے کہ "خدا سلام کا جواب دیتا ہے" سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ حضور سلام کا جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ بہت سی حدیثوں میں اس بات کی صراحت آئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ نفس نفیس سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ اب نبی کو سلام کرنے والے کی سعادت و فیروز بختی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی سلام بھیجتے ہیں اور خداوند ذوالجلال بھی سلام بھیجتا ہے۔ ان حدیثوں سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو "یا نبی سلام علیک" سے انکار کر کے اپنے آپ کو خدا کے سلام سے بھی محروم رکھتے ہیں اور نبی کے سلام سے بھی۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَار۔

تیسرا نکتہ

امام احمد، طبرانی، بیہقی، اور بغوی نے یَعلیٰ ابن مرہ ثقفی سے روایت کی ہے کہ ایک بار ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ حضور نے قیام فرمایا۔ حضور خوابِ استراحت میں تھے کہ ہم لوگوں نے دیکھا کہ ایک درخت زمین کو چیرتا پھاڑتا، جھومتا جھامتا آیا اور حضور کو اپنے سایہ میں ڈھانپ لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ واپس لوٹ گیا۔

جب حضور بیدار ہوئے تو ہم لوگوں نے حضور سے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضور نے

marfat.com

ارشاد فرمایا: هِیَ شَجَرَةٌ اِسْتَاْذَنَتْ رَبَّهَا فِیْ اَنْ تُسَلِّمَ عَلَیَّ فَاَذِنَ لَهَا۔
"یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے رب سے مجھے سلام کرنے کی اجازت طلب کی اور اسے اجازت مل گئی۔

مقام غور ہے کہ درخت جو نہ ذوی العقول میں سے ہے اور نہ احکامِ شرع کا مکلف ہے وہ نبی پاک کے حضور میں سلام پیش کرنے کی اجازت خدا سے طلب کرتا ہے اور وہ بھی ان کے قریب جاکر۔ اور غالباً یہ اجازت ہی کا ثمرہ ہے کہ اسے زمین شق کرتے ہوئے حاضر بارگاہ ہونے کی قدرت بھی عطا کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس واقعہ میں درخت کا چل کر آنا پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں نہیں تھا کہ اُسے نبی کا معجزہ قرار دیا جائے۔ بلکہ خود اس درخت کی آرزوئے شوق کی تکمیل کے لیے اسے خدا کی طرف سے یہ قدرت عطا ہوتی ہے۔

اس واقعہ سے اُن سیہ بختوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیئے جو حضور پاک کو سلام کرنے میں آنا کانی کرتے ہیں اور سلام سے روکنے کے لیے طرح طرح کا بکھیڑا کھڑا کرتے ہیں کہ ایک بے شعور درخت اس سعادت کے حصول کے لیے کس درجہ حسّاس ہے کہ وہ نبی کو سلام کرنے کے لیے خدا سے توفیق طلب کرتا ہے اور یہ علم و شعور والے بندے ہیں جو خدا کے حکم صریح کے باوجود سلام سے انکار کرتے ہیں۔

سلام کی اہمیّت پر دلائل کے انبار

حضرت مصنّف کی علمی جلالت کو سلام کیجئے کہ انھوں نے سلام کی اہمیت پر دلائل و براہین کی ایسی فصل اگائی ہے کہ دیدۂ شوق وا کیجئے اور ان کی بہاروں کا لطف اُٹھایئے۔

پہلی دلیل

فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

یہاں یہ امر پیشِ نظر رہے کہ سلام کی کس قدر وقعت ہے کہ عین نماز

marfat.com

کہ السَّلَامُ علیك ایھا النبی کو بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشا کہا جائے گا۔ جیسا کہ شیخ عابد سندھی نے اپنی کتاب طوالع الانوار شرح در مختار میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ص ۱۴۷)

دوسری دلیل

اس دعوے پر کہ التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ سے شب معراج کے واقعہ کی حکایت مقصود نہیں ہے بلکہ نمازی بالقصد حضور کو بحالت نماز اپنی طرف سے خطاب کرتا ہے اور انھیں اپنا سلام پیش کرتا ہے، حضرت مصنف کی یہ دوسری دلیل ہے۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع شروع میں صحابۂ کرام اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ وَفُلَانٍ کہا کرتے تھے۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ۔ کہا کرو۔ جب تم یہ کہوگے تو تمہارا سلام جملہ انبیاء و مرسلین، سارے ملائکہ اور تمام عباد صالحین کو پہنچ جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ سلام بطور حکایت واقعہ نہیں ہے۔

مصنف کتاب ارشاد فرماتے ہیں کہ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ میں اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں مگر چونکہ یہ سلام حضور کو ضمنی ہوا اور اس طرح کے سلام میں حضور کی کوئی خصوصیت نہیں رہی اس لیے حضور کے مقام کی عظمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ نمازی حضور کی طرف متوجہ ہو کر خاص خطاب کے ساتھ حضور کو سلام کرے۔

یہاں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ جیسے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ میں سلام کا صدور بالقصد ہے اسی طرح اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ میں بھی بالقصد سلام کے ساتھ حضور مخاطب ہیں۔ اور تکمیل تحیۃ کے طور پر

marfat.com

حضور کے سلام میں وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کا بھی اضافہ ہے۔

تیسری دلیل

حضرت فاضل مصنف اپنے اس دعوے پر کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ میں نمازی کی طرف سے حضور کو بالقصد خطاب کر کے سلام پیش کرنا مقصود ہے، واقعۂ معراج کی حکایت مقصود نہیں ہے، تیسری دلیل پیش کرتے ہیں۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کی روایت بتواتر لفظی حدیث متواتر کے درجہ میں ہے اگر اس سے خطاب اور ندا کے معنیٰ مراد نہ لیے جائیں تو حدیث متواتر کے مفہوم میں ایک طرح کا نسخ لازم آجائے گا۔ اور اصول فقہ کے مطابق ضروری ہے کہ دلیل نسخ بھی ویسے ہی قطعی ہو۔ اور شب معراج کا مخاطبہ اگر احادیث صحیحہ سے ثابت بھی ہو جائے جب بھی حدیث متواتر کا نسخ اس سے نہیں ہو سکے گا کیونکہ اس مفہوم کی ساری حدیثیں احاد ہیں ان میں حدیث متواتر جیسی قطعیت نہیں ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد حضرت فاضل مصنف ایک علمی نکتہ پیدا کر کے اپنے دعوے کی صحت کو اُس نقطۂ انتہا پر پہنچا دیا ہے کہ اب سوائے تسلیم کے منکرین کے لیے کوئی راہ فرار باقی نہیں ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> التحیات میں خطاب وندا کے جو معنی تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کے نسخ کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت کیا جائے۔ اور اِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ یعنی جب بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت نہیں ہے تو السلام علیک اَیُّهَا النَّبِیُّ میں ندا اور خطاب کے معنیٰ کا نسخ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ ص ۱۴۸

چوتھی دلیل

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی طرف سے یہ چوتھی دلیل ہے۔

marfat.com

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری، نسائی اور ابن ماجہ کے روایت کے مطابق جب آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے۔ صلوٰۃ کا طریقہ ارشاد فرمایئے۔ حضور نے فرمایا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھا کرو حکم صلوٰۃ کی تعمیل ہو جائے گی۔

امام بیہقی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے سوال میں جس سلام کے جاننے کا ذکر کیا تھا وہ تشہد والا سلام ہے۔ اور انھوں نے اسی سلام کو وَسَلِّمُوْا کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ سمجھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک تشہد والا سلام خطاب وانشاء کے طور پر تھا حکایت واقعہ کے طور پر نہیں تھا۔ اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کسی حکم کی تعمیل کے لیے انشاء کی ضرورت ہے حکایت مفید نہیں۔

پانچویں دلیل

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی یہ پانچویں دلیل ہے۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت کے مطابق صحابہ کرام حضور کی حیات ظاہری میں تشہد کے اندر السلام علیک ایھا النبی خطاب اور ندا کے ساتھ پڑھا کرتے لیکن حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا تو انھوں نے اُسے بدل دیا اور اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ کہنے لگے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے بھی بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے۔

اِنَّ الصَّحَابَۃَ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ فَلَمَّا مَاتَ قَالُوْا	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں صحابہ کرام التحیات میں السلام علیک ایھا النبی پڑھا کرتے تھے لیکن جب حضور نے پردہ کر لیا تو

marfat.com

اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ ۔ انھوں نے اسے بدل دیا اور السلام علی النبی کہنے لگے۔
(واسنادہ صحیح)

اس واقعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ صحابۂ کرام کے نزدیک تشہد بطور انشاء تھا بطور حکایت نہیں تھا۔ کیونکہ اگر بطور حکایت ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد خطاب اور ندا والے الفاظ کو بدلنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اس مقام پر کسی کو بھی یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ تبدیلی کے اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد انھیں خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے خطاب اور ندا والا صیغہ بدل دیا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ الفاظ بدلنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ صحابۂ کرام حضور کے وصال شریف کے بعد پھر خطاب وندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ غایت عشق اور کمال قرب کی وجہ سے حضور کی مفارقت کا صدمہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔

عام صحابہ کے علاوہ خواص بھی بے تابیوں کے اضطراب کی اتنی دردناک کیفیت سے دوچار تھے کہ لوگ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے۔ بعض صحابہ تو اتنے خود رفتہ ہو گئے تھے کہ اس خبر پر بھی وہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

یہاں تک کہ کنز العمال کی روایت کے مطابق حضور کے وصال شریف کے بعد جب سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان دی تو سارے مدینہ میں کہرام

marfat.com

بپا ہوگیا اور وہ خود فرطِ غم سے غش کھا کر گر پڑے۔ کیونکہ جب وہ اذان دیتے وقت اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے تھے تو اپنی انگشت شہادت سے حضور کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد انھوں نے اذان دینے سے انکار کر دیا۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اصرار کیا تو انھوں نے معذرت کر لی کیونکہ ان کے اندر اس صدمہ کی تابِ ضبط نہیں تھی کہ وہ حضور کی طرف اشارہ کریں اور حضور پیشِ نظر نہ ہوں۔

اور مواہب لدنیہ کی روایت کے مطابق ایک صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، جب انھیں خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو انھوں نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور یہ دُعا مانگی اَللّٰهُمَّ اذْهَبْ بَصَرِیْ لَا اَرٰی بَعْدَ حَبِیْبِیْ مُحَمَّدٍ اَحَدًا۔ یا اللہ! میری آنکھ کی بینائی زائل کر دے کہ میں اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا چہرہ نہ دیکھوں۔"

راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی انھوں نے اپنی دعا ختم کی فَکُفَّ بَصَرُهٗ اَیْ عَمِیَ۔ فوراً ان کی بینائی زائل ہوگئی اور وہ مکمل طور پر نابینا ہو گئے۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ آدمی تو آدمی ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کا صدمہ جانوروں پر بھی پڑا۔ چنانچہ حضور پاک کی سواری کا جانور جب اس صدمے کی تاب نہ لا سکا تو ایک کنویں میں گر کر اپنی جان دے دی۔ مقام غور ہے کہ جب جانوروں تک کا یہ حال ہو تو ان جانبازان خستہ جگر کا کیا حال ہوا ہوگا جنھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

اسی دردانگیز اور المناک کیفیت کا ردِّ عمل تھا کہ صحابۂ کرام کے اندر حضور کو خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کی تاب نہیں تھی کیونکہ خطاب اور ندا حضوری کو چاہتا ہے اور اس سے جدائی کا غم تازہ ہوتا تھا اس لیے صحابہ کرام نے سلام میں خطاب اور ندا کے الفاظ بدل دیئے۔

marfat.com

اس کے بعد حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

الحاصل کمال رنج وغم کے سبب سے اوائل میں بعض صحابہ نے خطاب اور ندا کو ترک کر دیا تھا پھر جب وہ حالت بسبب امتداد زمانہ کے فرو ہوگئی تو بحسب تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اسی طور پر بعینہٖ خطاب وندا پڑھنا شروع کیا جیسا کہ یہ عمل آج تک جاری ہے۔" ص۱۵۳

اس دعوے کے ثبوت میں تین وجہیں

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حضرت فاضل مصنف نے تین وجہیں بیان کی ہیں۔

پہلی وجہ

بروایات متعددہ ثابت ہے کہ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ ابن زبیر برسر منبر علیٰ رؤس الاشہاد اپنی اپنی خلافتوں میں التحیات کی تعلیم بلفظ السلام علیك ایها النبی دیا کرتے تھے۔ اور یہ تعلیم کچھ ایسی نہ تھی کہ کسی پر پوشیدہ رہ جاتی۔ پھر اگر کسی کو خطاب اور ندا میں کلام ہوتا تو ضرور کہہ دیتے۔ کیونکہ صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ کسی واقعہ کو خلاف واقعہ سن کر خاموش رہ جائیں خصوصاً ایسا مسئلہ کہ جس میں آخری زمانہ والوں کے خیال کے مطابق شرک کا اندیشہ ہے۔

ص۱۵۴

دوسری وجہ

خود حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین کو اسی التحیات کی تعلیم دیا کرتے تھے جس کی تعلیم ان کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ جیسا کہ خود فتح القدیر میں حضرت ابن ہمام نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ ص۱۵۷

marfat.com

تیسری وجہ

اگر اس تبدیلی میں لحاظ خطاب اور ندا کا تھا تو یہ بسبب قبل انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی موجود تھا اس لیے کہ صحابہ اکثر اپنے اسفار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب بھی ہوتے تھے۔ پس اس صورت میں لازم آتا ہے کہ حالت غیبت میں التحیات بصیغہ خطاب و ندا نہ پڑھتے ہوں حالانکہ یہ بات کسی سے بھی مروی نہیں ہے۔

بلکہ خود حدیث میں یہ تصریح گزری کہ بعد وفات شریف خطاب و ندا کا صیغہ بدلا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ تبدیلی کا سبب ندا و خطاب نہ تھا بلکہ وفات شریف کا صدمہ تھا۔

پس ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اوّل تو جملہ صحابہ نے صیغہ بدلا ہی نہیں اور بعضوں نے جو بدلا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ بعد وفات شریف کے خطاب و ندا جائز نہیں۔ اور پھر چند روز کے بعد بدلنے والے بھی آنحضرت کی تعلیم کے مطابق التحیات بصیغۂ خطاب و ندا پڑھتے اور اس کی تعلیم دیتے تھے۔ (ص ۱۵۷)

ایک لطیف طنز

حضرت فاضل مصنف نے ان لوگوں پر جو ندائے یارسول اللہ کو ناجائز کہتے ہیں ایک لطیف طنز کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ حصہ انہی کے الفاظ میں پڑھیے:

ندائے غائب کے مسئلہ میں جب اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کے ساتھ استدلال کیا جاتا ہے تو بعض لوگ اس کا جواب دیتے ہیں کہ

marfat.com

یہاں ندا مقصود نہیں بلکہ حکایت ہے مخاطبۂ شب معراج کی۔

پھر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا مخاطبۂ معراج والی حدیث کو آپ مانتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ حدیث مان لی جائے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش پر جانا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے کی کوئی حدیث صحیح یا حسن محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اگر نماز کی التحیات کو مخاطبۂ معراج کی حکایت قرار دیں تو چاہیئے کہ محکی عنہ کو بھی اپنے قواعد کے مطابق ثابت کریں یا مان لیں اور محکی عنہ کا انکار ہے تو حکایت کا نام نہ لیں۔ اس کا کیا معنی کہ حکایت میں تو وہ زور و شور اور محکی عنہ سے بالکل انکار۔ کیا اس کو الف لیلہ کی حکایت سمجھا ہے جس میں محکی عنہ سے کچھ بحث نہیں۔ ص ۱۶۵

خلاصۂ بحث

خلاصۂ بحث کے طور پر فاضل مصنف نے اپنے جو احساسات پیش کئے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ سطر سطر سے محبتِ رسول کی خوشبو اڑ رہی ہے اور لفظ لفظ عشق و ایمان کے آب حیات میں بھیگا ہوا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل ہر مسلمان کو چاہیئے کہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے۔ اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادۃ ہوگا کیونکہ جب شارع کی طرف سے اس کا امر ہو گیا تو اب جتنے خیالات اس کے خلاف ہیں وہ سب بیہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں چون و چرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔

اب یہ بات محسوس کرنی چاہیئے کہ جب اس سلام کا مرتبہ ایسا

marfat.com

ہوا کہ عبادت محضہ یعنی نماز کا ایک حصّہ اس کے لیے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیئے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ ص۱۶۵

اس کے بعد یہ عبارت بھی جذبۂ عقیدت میں سرشار ہوکر پڑھیئے۔ سلام کے آداب سکھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

الغرض جب کسی خاص وقت میں سلام عرض کرے تو چاہیئے کہ کمال ادب کے ساتھ کھڑا ہوا اور دستہ بستہ ہوکر عرض کرے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا سَيِّدَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ۔ اسی طرح کے الفاظ کے ساتھ سلام کرے جن سے حضرت کی عظمت معلوم ہو۔ ص۱۶۶

ایک اعتراض اور اس کا روح پرور جواب

کھڑے ہوکر سلام پیش کرنے کے سلسلے میں منکرین کے اعتراضات ڈھکے چھپے نہیں ہیں کہ انھیں کوئی خاص اہمیت دی جائے۔ ایک ہی بات بار بار دہرائی جاتی ہے لیکن فاضل مصنّف نے ان اعتراضات کے جو جواب دیئے ہیں ان میں فکر و نظر اور علم و تحقیق کی جو ندرت ہے، انھیں پڑھیئے اور سر دھنیئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب یہاں شاید کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قیام عبادت کے مشابہ ہے اس لیے وہ جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب عین عبادت میں یہ سلام جائز ہوا تو مشابہ بالعبادۃ میں کیونکر جائز نہیں ہوگا۔ (ص۱۶۶)

marfat.com

قیامِ تعظیمی کی بحث

حضرت فاضل مصنف نے قیام تعظیمی کے مسئلہ پر نہایت طویل بحث فرمائی ہے۔ موصوف نے اُن ساری حدیثوں کا بھی جائزہ لیا ہے جن میں قیام کی ممانعت آئی ہے اور شروح و احادیث کی روشنی میں ان کی صحیح مراد متعین کرتے ہوئے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ان حدیثوں میں مطلق قیام کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اُس قیام خاص کی ممانعت ہے جو عجمی بادشاہوں کے دربار میں رائج تھا کہ بادشاہ بیٹھا رہتا اور لوگ اس کے گرد ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔

یا پھر اس قیام کی ممانعت ہے جو کسی کی تعظیم کے لیے اس کی خواہش پر کیا جائے۔

اس کے بعد حضرت موصوف نے قیام تعظیمی کے جواز پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

قیام تعظیمی کی پہلی دلیل

بخاری شریف کی مشہور حدیث جو حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے قبیلہ بنو قریظہ نے جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا حَکَم مان لیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو بلوایا ابھی وہ اپنی سواری ہی پر تھے کہ حضور نے انصار کو حکم دیا کہ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اس حدیث میں نہایت صراحت سے کھڑے ہونے کا حکم ہے۔

marfat.com

منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ چوں کہ حضرت سعد زخمی تھے اس لیے حضور کا منشا یہ تھا کہ لوگ آگے بڑھ کر انھیں سواری سے اُتار لیں اس لئے اس سے قیام تعظیمی نہیں ثابت ہوتا۔

حضرت فاضل مصنّف نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ چونکہ کھڑے ہونے کا حکم سردار کی نسبت کے ساتھ ہے اس لیے یہ لفظ ظاہر کرتا ہے کہ کھڑے ہونے کا حکم اظہار تعظیم کے لیے تھا اور اسی کا نام قیام تعظیمی ہے۔

قیام تعظیمی کی دوسری دلیل

اس حدیث کو حضرت ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ان کے رضاعی باپ یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ کے شوہر تشریف لائے تو حضور نے انھیں بیٹھانے کے لیے اپنی چادر شریف کا ایک کونہ بچھا دیا۔ پھر حضور کی ماں تشریف لائیں تو ان کے لیے دوسرا کونہ بچھایا۔ پھر اخیر میں رضاعی بھائی تشریف لائے تو حضور کھڑے ہو گئے اور انھیں اپنے سامنے بٹھایا۔ اس حدیث سے دوسرے کے لیے خود حضور کا قیام ثابت ہے۔

اس حدیث کے جواب میں منکرین قیام کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رضاعی بھائی کے لیے حضور کا قیام اکرام کے لیے نہیں تھا بلکہ جگہ بنانے کے لیے تھا۔ کیونکہ حضور اگر اکرام کے لیے قیام فرماتے تو ماں باپ اس کے زیادہ مستحق تھے حضرت مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ اوّل تو اس حدیث میں ان کے لیے قیام کی نفی نہیں ہے اور عدم ذکر سے عدم قیام کا ثبوت نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ بٹھانے کے لیے اپنی چادر بچھا دینا ان کے اکرام کے لیے بہت کافی تھا۔ اور رضاعی بھائی کے سلسلے میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں قام فاجلس بین یدیہ یعنی حضور کھڑے ہوئے اور اپنے سامنے انھیں بٹھایا۔ اگر جگہ کی قلت کی وجہ

marfat.com

سے حضور کا قیام ہوتا تو حدیث کے الفاظ یہ ہوتے کہ حضور کھڑے ہوئے اور اپنی جگہ پر انھیں بٹھایا۔ دوسرے یہ کہ جگہ بنانے کے لیے کھسک جانا کافی تھا کھڑے ہونے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

قیام تعظیمی کی تیسری دلیل

فتح مکّہ کے دن ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ خوف کی وجہ سے یمن کی طرف بھاگ گئے تھے۔ اسی حالت میں انھیں خدا نے توفیق دی اور وہ اسلام لے آئے اس کے بعد ان کی اہلیہ انھیں اپنے ہمراہ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جیسے ہی حضور نے انھیں دیکھا جذبۂ مسرّت میں کھڑے ہو گئے اور ان کا استقبال کیا۔

اسی طرح فتح خیبر کے دن حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حبشہ سے واپس تشریف لائے تو حضور نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور فرمایا کہ میں نہیں بتا سکتا کہ جعفر کے آنے سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے۔

اسی طرح کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی منقول ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور کے مُنہ بولے بیٹے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب ہجرت کے بعد مدینہ منوّرہ میں تشریف لائے تو اس وقت حضور میرے حجرے میں تشریف رکھتے تھے، میں نے دیکھا کہ حضور انھیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور انھیں گلے سے لگا لیا۔

ان تینوں حدیثوں میں دوسروں کے لیے خود حضور کا قیام کرنا ثابت ہوا۔ اور اس بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہے کہ نہ صرف یہ کہ دوسرے کے لیے قیام کرنا جائز ہے بلکہ سُنّتِ رسول بھی ہے۔

قیام تعظیمی کی چوتھی دلیل

حضرت ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ

marfat.com

حدیث نقل کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم لوگوں کے ساتھ بات کرتے تھے اور سلسلۂ گفتگو ختم ہو جانے کے بعد جب حضور کھڑے ہوتے تو ہم لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ حضور اپنے دولت کدے میں داخل نہ ہو جاتے۔

اس حدیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صحابۂ کرام کا کھڑا ہونا اور کھڑا رہنا ثابت ہو گیا۔

قیامِ تعظیمی کی پانچویں دلیل

اس حدیث کو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابوداؤد، ترمذی، اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور کے پاس تشریف لاتی تھیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے قیام فرماتے تھے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قَامَ اِلَیْهَا فَقَبَّلَهَا ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِهَا حَتّٰی یُجْلِسَهَا فِیْ مَکَانِهٖ۔

یعنی حضور کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے ان کی پیشانی چومتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ اس حدیث سے بھی دوسروں کے لیے حضور کا قیام ثابت ہو گیا۔

منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے لیے حضور کا قیام اکرام کے طور پر نہیں تھا بلکہ جگہ کی تنگی تھی اس لیے جگہ بنانے کے لیے تھا۔ فاضل مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جگہ بنانے کے لیے کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں تھی صرف کھسک جانا کافی تھا۔ اور اگر جگہ اتنی تنگ تھی کہ دو آدمی کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور انھیں بٹھا کر باہر چلے جاتے ہوں حالانکہ کسی حدیث میں ایسی روایت نہیں ملتی۔

marfat.com

اس مقام پر فاضل مصنّف نے امام بیہقی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ القیام علی وجہ الاکرام جائز کقیام الانصار لسعد وقیام طلحۃ لکعب یعنی کسی کے اکرام و تعظیم کے لیے قیام کرنا جائز ہے جیسے انصار کا قیام حضرت سعد کے لیے اور حضرت طلحہ کا قیام حضرت کعب کے لیے۔

قیام تعظیمی کی چھٹی دلیل

حضرت ابوداؤد کی یہ حدیث ہے جسے انھوں نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ اٹھتے بیٹھنے، بات چیت اور اپنی جملہ عادات و اطوار میں حضور کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتی تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ حضور کے لیے تعظیماً کھڑی ہو جاتی تھیں اور حضور کے دستِ مبارک کا بوسہ لیتی تھیں اور انھیں اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں۔

اس حدیث کی روشنی میں حضور کے لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قیامِ تعظیمی ایک آدھ بار کا نہیں تھا بلکہ پوری زندگی ان کا معمول ہی یہ تھا۔ پھر یہ بات بھی گہرائی میں اُتر کر سوچنے کی ہے کہ اگر ان کا یہ قیام تعظیمی حضور کے نزدیک ناجائز ہوتا تو حضور اس فعل سے انھیں یقیناً روک دیتے۔ لیکن جب حضور نے اپنے قیام تعظیمی سے انھیں نہیں روکا تو چودھویں صدی کے لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمیں حضور کے قیام تعظیمی سے روکیں۔

قیام تعظیمی کی ساتویں دلیل

یہ حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام طبرانی اور خطیب بغدادی نے روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال میں اس کی صراحت موجود ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

marfat.com

ہر شخص اپنی جگہ سے اپنے بھائی کے لیے اُٹھے مگر بنو ہاشم دوسرے کے لیے نہ اٹھیں۔
حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ یقوم الرجل من مجلسہ لاخیہ الا بنو ھاشم لا یقومون لاحد اس حدیث سے دوسرے کے لیے قیام تعظیمی کا نہ صرف جواز ثابت ہوا بلکہ استحباب بھی ثابت ہوگیا کیونکہ امر کا ادنی درجہ استحباب ہے۔

اور علامہ ابن حجر نے فتاویٰ حدیثیہ میں لکھا ہے کہ قیام نہ کرنے کی وجہ سے اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو قیام کرنا واجب ہے۔ ان کے فتوے کی عبارت یہ ہے ان ترکہ الان صار علما علی القطیعۃ و وقوع الفتنۃ فیجب دفعا لذلک۔

قیام تعظیمی کی آٹھویں دلیل

اس حدیث کی بخاری، مسلم، امام احمد، نسائی اور ابو داؤد نے حضرت ابو سعید خُدری سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِذَا رَاَیْتُمُ الْجَنَازَۃَ فَقُوْمُوْا لَھَا۔ جب تم جنازہ دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث بخاری، مسلم، امام احمد، ابو داؤد، نسائی اور ترمذی نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِذَا رَاَیْتُمُ الْجَنَازَۃَ فَقُوْمُوْا لَھَا حَتّٰی یُخَلِّفَکُمْ اَوْ یُوْضَعَ۔ جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو جب تک کہ وہ اوجھل نہ ہو جائے یا زمین پر اُتار کر رکھ نہ دیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے بھی جنازے کے لیے قیام کا حکم صراحت کے ساتھ ثابت ہوگیا ہے۔

قیام تعظیمی کی نویں دلیل

یہ حدیث ہے جسے بخاری، مسلم اور امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت سہل ابن حُنیف اور حضرت سعد ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

marfat.com

روایت کی ہے۔

یہ حضرات بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ لوگ ایک جنازہ لے کر ادھر سے گزرے۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ جنازہ غیر مسلم کا ہے۔ ہم نے انھیں جواب دیا کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک یہودی کا جنازہ گزرا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور! یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ ارشاد فرمایا کیا وہ جان نہیں ہے؟

اس حدیث کو ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب منتقی الاخیار میں نقل کیا ہے۔

قیام تعظیمی کی دسویں دلیل

طبرانی اور کنز العمال میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے سامنے سے کوئی جنازہ گزرے تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور یہ قیام ان فرشتوں کے لیے ہے جو اس جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔

اس حدیث سے نہایت صراحت کے ساتھ فرشتوں کے لیے قیام تعظیمی ثابت ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قیام تعظیمی کے لیے دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ بغیر دیکھے بھی کسی کے لیے قیام کیا جا سکتا ہے۔ یہیں سے اس سوال کا جواب بھی ہو گیا جو قیام و سلام کے موقعہ پر ہم سے کیا جاتا ہے کہ کیا تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہو جو ان کے لیے قیام کرتے ہو۔

پچھلے صفحات میں جنازے کے لیے قیام کرنے کی جو حدیثیں گزری ہیں اس حدیث سے اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہو گئی کہ قیام کا حکم ان فرشتوں کی تعظیم کے لیے ہے جو جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔

marfat.com

فاضل مصنّف کی ایک ایمان افروز عبارت

قیام تعظیمی کے ثبوت میں یہ ساری حدیثیں پیش کرنے کے بعد حضرت مصنّف نتیجے کے طور پر تحریر فرماتے ہیں۔

اس تقریر سے کئی قیام شرعًا ثابت ہو گئے۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرتے وقت کھڑے رہنے میں تشبّہ بالعبادۃ ہے اور وہ جائز نہیں۔ بلکہ جب جنازہ وغیرہ کے واسطے عموماً قیام ضروری ہوا تو نبی پاک کے لیے بطریقِ اولیٰ ضروری ہوگا۔

(ص۷۸)

قرآن میں منصبِ رسالت کی تعظیم کا حکم

فکر انگیز اور بصیرت افروز دلائل کے ساتھ قیام تعظیمی کے جواز کی بحث مکمل کر لینے کے بعد فاضل مصنف نے رسالت کی تعظیم و ادب کے موضوع پر عشق و عقیدت اور ایمان و عرفان کے جو گل بوٹے کھلائے ہیں ان کی خوشبو سے اپنی مشامِ جان کو معطر کیجئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

چند آیات و احادیث و آثار یہاں لکھے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔ لیکن پہلے یہ بات معلوم کرنی چاہیئے کہ جب تک کسی کی عظمت دل میں نہیں ہوتی ادب کا فعل صادر نہیں ہوتا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو مختلف پیرایے میں بیان فرمایا ہے۔ (ص۱۷۸)

قرآن حکیم میں جن آیتوں کے ذریعہ اہلِ ایمان کو تعظیم نبی کا صریح حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

marfat.com

پہلی آیت

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔	بیشک ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تاکہ (اے لوگو) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس رسول کی تعظیم و توقیر بجالاؤ اور صبح و شام خدا کی تسبیح و تقدیس کرو۔

اس آیت کریمہ میں رسول کو بھیجنے کے تین مقاصد بیان کئے گئے ہیں:

پہلا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ اُس رسول کی تعظیم و توقیر بجالائیں۔

تیسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح و تقدیس کریں۔

گہری نظر سے اس آیت کریمہ کا مطالعہ کیجئے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ رسول کی تعظیم و توقیر کوئی سطحی اور ضمنی چیز نہیں ہے بلکہ جس طرح ایمان باللہ والرسول اور عبادت خداوندی رسول کی بعثت کا بنیادی مقصد ہے اسی طرح رسول کی تعظیم و توقیر بھی بعثت رسول کا مقصود اعلیٰ ہے لیکن کس قدر حسرت و افسوس کی بات ہے کہ لوگ عبادت پر تو بہت زیادہ زور دیتے ہیں لیکن رسول کی تعظیم و توقیر کی کوئی اہمیت نہیں محسوس کرتے۔ حالانکہ ترتیب کے لحاظ سے دیکھئے تو آیت کریمہ میں ایمان کے بعد رسول کی تعظیم و توقیر ہی کا درجہ ہے۔ عبادت تو یہاں بالکل تیسرے نمبر پر ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیت کریمہ میں رسول کی تعظیم و توقیر کے لیے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ تعظیم و توقیر کا حکم ہم کس طرح بجالائیں۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ رسول کی عزت و تکریم کے اظہار کے لیے قیامت تک جتنے بھی جائز طریقے ممکن ہو سکتے ہیں وہ سب اس مامور بہ کے عموم میں داخل ہیں۔ اب کسی بھی

marfat.com

طریقۂ تعظیم کے لیے دلیل خاص کا مطالبہ کرنا قرآن فہمی کے اصولوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ نوٹ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

آیتہ شریفہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر آپ کی بعثت مبارکہ کا مقصود اصلی ہے جسے حق تعالےٰ نے ایمان کے ساتھ لام کے تحت بیان فرمایا ہے۔ (ص ۱۰۹)

دوسری آیت کریمہ

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

پس جو لوگ نبی پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی، اور ان کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اُتارا گیا ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نجات وفلاح پانے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے نجات ممکن نہیں ہے کیونکہ اہل بلاغت جانتے ہیں کہ ترکیب اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ کی حصر کے لیے ہے۔ یعنی رستگاری اور نجات خاص اُنہی لوگوں کے لیے ہے جن میں یہ صفات موجود ہیں۔

اسی وجہ سے عظمت اور ہیبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے دلوں پر کچھ اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ باوجود اُس خلق عظیم کے جس سے جانی دشمن حلقہ بگوش اور وحشی صفت بیگانے بھی مانوس

marfat.com

ہو گئے اور باوجود کمال عشق و محبت کے صحابہ آنکھ بھر کے چہرۂ مبارک
کی طرف نہیں دیکھ سکتے تھے اور کسی میں جرأت نہ تھی کہ کوئی بات یا
مسئلہ بے تکلف پوچھ لے۔ (صفحہ ۱۸۰)

قرآن حکیم کی ان دو آیتوں میں نہایت اہتمام و صراحت کے ساتھ تعظیم رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ قرآن کی بے شمار آیتیں ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رب العزۃ کی جناب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کیا ہے؟ اور خداوند ذوالجلال نے ان کی رفعت شان کا کس درجہ اہتمام فرمایا ہے۔ اور اس حقیقت کو تو قرآن کا ہر صفحہ بے نقاب کرتا ہے کہ اللہ کی رضا رسول کی مرضی کے ساتھ منسلک ہے۔ اور رحمت و ادب کا دروازہ ان لوگوں پر ہمیشہ کے لیے مقفل ہے جو رسول کی طرف سے اپنے دلوں میں کدورت یا ہمسری و سرکشی کا شائبہ بھی رکھتے ہیں۔

اس دعوے پر فاضل مصنف نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے اتنا شاندار استدلال فرمایا ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد ہر صحت مند دل عشق و عقیدت کے سوز و گداز اور کیف و سرور کی لذتوں میں ڈوب جاتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ ہر آیت کے ذیل میں فاضل مصنف نے جو علمی نکتے ارشاد فرمائے ہیں وہ حرز جاں بنا لینے کے قابل ہیں۔ اب دل کے اخلاص اور دیدۂ شوق کی بصارت کے ساتھ ان آیات کا مطالعہ فرمائیں۔

تیسری آیت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا	اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی
تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ	آوازیں بلند نہ کرو۔ اور ان سے
النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ	اونچی آواز میں اس طرح بات
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ	نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے
لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ	سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو۔

marfat.com

وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

تشریح

یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب چند صحابۂ کرام حضور کے سامنے چلّا چلّا کر بات کر رہے تھے۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھائی کہ اب میں حضور سے اُس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی شخص راز کی بات کرتا ہے۔

اسی آیت کریمہ کے زیر اثر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سے اتنی دھیمی آواز میں بات کرتے تھے کہ حضور کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی۔

اور حضرت ثابت ابن قیس ابن شمّاس پر تو اس آیت کریمہ کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ شدّت اضطراب سے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ وہ اپنے پاس آنے جانے والوں سے کہتے تھے کہ چونکہ خلقی طور پر میری آواز بلند ہے اس لیے میری ہی آواز حضور کی آواز پر بلند ہوئی ہے۔ اب میرے سارے اعمال حبط ہو گئے۔ اور میں جہنّم کا مستحق ہو گیا۔

اس غم میں کئی دن تک وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے۔ یہاں تک کہ ایک دن خود حضور جان نور نے لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ تفتیش حال کے لیے جب صحابۂ کرام اُن کے گھر گئے تو انہوں نے بتایا کہ میری ہی آواز حضور کی آواز پر بلند ہوتی تھی اس لیے میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب میرے سارے اعمال حبط ہو گئے اور اب میرا ٹھکانہ جہنّم کے سوا اور کہاں ہے حضور کے سامنے جب لوگوں نے یہ سارا قصّہ بیان کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ وہ جنتی ہیں۔ چنانچہ حضور کی بشارت کے مطابق جنگ یمامہ

marfat.com

میں انھوں نے منصب شہادت پر سرفراز ہو کر ظاہری طور پر بھی جنّت کا استحقاق حاصل کر لیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے آدمی بھیج کر انھیں اپنے پاس بلایا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم دنیا میں خیر و فلاح کی زندگی گزارو اور خدا کی راہ میں شہید کٹے جاؤ۔ اور جنّت کا دائمی عیش تمہیں گلے لگائے۔ انھوں نے جواب دیا! یا رسول اللہ! دل کی پوری بشاشت کے ساتھ میں اس پر راضی ہوں۔

اب اس آیت کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے تاثرات ملاحظہ فرمایئے۔

> اب ہر عاقل کو چاہیئے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنےٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہوگا۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشا صرف غیرتِ الٰہی تھا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔

فاضل مصنف کے تبصرے کا یہ آخری حصّہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

> اسی وجہ سے صحابہ ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جس سے غیرتِ الٰہی جوش میں آجائے۔ پھر جب آنحضرت اس عالم سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت یا غیرت کبریائی میں کوئی فرق آگیا۔ نعوذ باللہ من ذالك کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفات الٰہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس آیت کریمہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب

marfat.com

رہے جیسے صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لیے کہ حق تعالےٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے۔ (ص ۲۰۶)

چوتھی آیت کریمہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔

بیشک جو لوگ رسول اللہ کے حضور میں دھیمی آواز سے بات کرتے ہیں، اُنہی لوگوں کے دلوں کو خدائے کردگار نے تقویٰ کے لیے منتخب کرلیا ہے انہی لوگوں کے لیے مغفرت و بخشش اور اجر عظیم ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں "دل کا تقویٰ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اسی کے متوازی "دل کا مرض" ہے جس کا تذکرہ قرآن نے منافقین کے بارے میں ان لفظوں میں کیا ہے۔ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا۔ ان کے دلوں میں مرض ہے پھر اللہ تعالیٰ ان کے مرض بڑھاتا رہتا ہے۔ یہ بات اگر سمجھ لی جائے کہ دل کا مرض کیا ہے اور وہ بڑھتا کس طرح ہے تو دل کا تقویٰ بھی سمجھ میں آجائے گا۔

منافقین کی اس ناپاک سرشت سے ساری دنیا واقف ہے کہ وہ ایک طرف اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے تھے نمازوں میں بھی شریک ہوتے تھے اور دوسری طرف رسول کے خلاف دل میں کینہ بھی رکھتے تھے۔ اور دشمنوں سے مل کر ان کے خلاف طرح طرح کی سازش بھی رچتے تھے۔ اسی باطنی خبث کا اثر تھا کہ حضور کو جب کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ خوشی مناتے اور جب حضور کی جلالت شان، اور فتح و کامرانی کی

marfat.com

کوئی بات ظاہر ہوتی تو وہ جلن کی آگ میں سلگنے لگتے۔

رسول کی عظمتوں سے جلنا اور ان کی رفعت شان کے اظہار پر سلگنا یہی ان کے دل کا مرض تھا۔ اور جب ان کے دل کی خواہش کے خلاف خدا کی طرف سے کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا یا کوئی ایسی آیت اترتی جس سے حضور کی شان و شوکت میں چار چاند لگ جاتے تو ان کے چہروں پر ذلت و نامرادی کی پھٹکار برستی اور اندر ہی اندر وہ سلگنے لگتے۔ اسی کیفیت کو قرآن نے مرض کے بڑھنے سے تعبیر کیا ہے۔

اب اس کے برعکس حضور کی عظمت شان کے اظہار پر ایک سچے مسلمان کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اسی کا نام "دل کا تقویٰ" ہے۔ دل کا تقویٰ اگرچہ ملتھے کی آنکھ سے نظر آنے کی چیز نہیں ہے لیکن حرکات و سکنات، نقوش و الفاظ، اور گفتار و کردار سے محسوس کی چیز ضرور ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں ایک صحت مند دل اور ایک بیمار دل کے درمیان جوہری فرق یہی ہے کہ ایک صحت مند دل حضور کی تعریف سُن کر فرط مسرت میں اچھلنے لگتا ہے اور اپنی پاکیزہ تمناؤں کے ساتھ وہ ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع اسے بار بار میسّر آئیں۔ جبکہ بیمار دل، حضور کی تعریف سُن کر اور بیمار پڑ جاتا ہے اور ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع کبھی وجود میں نہ آئیں۔

چشم بصیرت وا ہو تو دونوں طرح کی یہ کیفیت آپ کو اپنے پڑوس ہی میں نظر آجائے گی۔

اتنی تمہید کے بعد اب اس آیت کے ذیل میں فاضل مصنّف کی اس مہکتی ہوئی عبارت سے اپنا دماغ معطّر کیجئے۔

سبحان اللہ! کس قدر رحمت و فضل کا دریا موجزن ہے ادب والوں کے لیے کہ اگرچہ گنہگار ہوں ان کے لیے مغفرت کی بشارت بھی ہے اور بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ بھی۔

اس آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب ہر کس و ناکس کو

marfat.com

نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ دولت انہی لوگوں کے حصّے میں آتی ہے جن کے قلوب امتحانِ الٰہی میں پورے اتریں۔ (صـ۲۰۶)

پانچویں آیت

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ لوگ صبر سے کام لیتے یہاں تک کہ آپ خود ان کی طرف تشریف لے جاتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں خاص طور پر دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پیغمبر کا منصب ہے کہ بندوں کو خداوند ذوالجلال کے دربار میں حاضری کے آداب سکھلائے۔ لیکن یہاں الطاف کریمانہ کا یہ جلوہ ماتھے کی آنکھوں سے دیکھئے کہ معبود حقیقی اپنے ایک بندے کے دربار میں حاضری کے آداب خود اپنے بندوں کو سکھلا رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس غلط فہمی کی کوئی گنجائش ہے کہ ایسا بندہ ہماری ہی طرح ایک نادار بے خبر اور بے وقعت بندہ ہوگا؟ معاذ اللہ!

ذرہ برابر بھی کسی کے دماغ میں جوہر لطیف کا حصہ ہے تو اسے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ وہ بندہ جس پائے کا رسول ہے یقیناً اُسی پائے کا محبوب بھی ہے کیونکہ اس طرح کا معاملہ حاکم بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے یا پھر اپنے کسی خاص الخاص محبوب کے ساتھ! تیسری کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ

marfat.com

قرآن صرف خدا کی عبادت کا ڈھنگ بتاتا ہے رسول کی تکریم و آداب کے طریقے بدعتیوں نے نکالے ہیں، عبرتناک قسم کی غلط فہمی یا بددیانتی میں مبتلا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ دل کی کیفیت کے اعتبار سے جرم کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں اگر کوئی جرم عمداً سرزد ہوا ہے تو اس کی سزا سخت ہوتی ہے اور سہواً ہوا ہے تو سزا میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ قصد و بلا قصد کی بنیاد پر سزاؤں کا یہ فرق قانون کی نگاہ میں بھی مسلّم ہے۔

یہاں صورت حال بتا رہی ہے کہ حجروں کے پیچھے سے رسول کو پکارنے والے اہانت کی نیت سے نہیں پکار رہے تھے بلکہ بارگاہ رسالت کے آداب سے بے خبری کے نتیجے میں ان سے یہ غلطی سرزد ہوگئی۔ دلوں کا حال کوئی جانے نہ جانے پر اللہ تو ضرور جانتا ہے۔ اس لیے آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنے نرم انداز میں ان کی مذمت کی گئی ہے۔ کسی کو بے عقل یا بے وقوف کہہ دینا کوئی بڑی مذمت نہیں ہے اور پھر اسی کے بعد ہی وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کا مرہم تسکین کیا ان لفظوں کا کرب کسی کو محسوس ہونے دے گا۔؟

لیکن اب آیئے تصویر کے دوسرے رُخ کا بھی مطالعہ کریں۔ اسی قرآن میں کچھ گستاخ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنھوں نے رسول کی حرمت کو دیدہ و دانستہ اہانت کے کلمات سے مجروح کیا ہے۔ ان کے بارے میں قرآن کا رویہ اتنا سخت ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پوری سورۂ لہب خدا کے قہر و جلال کی ایسی دہکتی ہوئی آگ ہے جس میں ابولہب آج تک سلگ رہا ہے۔ کفر و شرک کا جرم تو اس نے اپنی زندگی میں سینکڑوں بار کیا ہوگا پھر بھی مشیت الٰہی کی غیرت جوش میں نہیں آئی۔ لیکن رسول کے ساتھ گستاخی کا ایک جرم سرزد ہوا تو سارا جہنم ابل پڑا اس پر بھی اور اس کی بیوی پر بھی۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مجرم کے ساتھ ساتھ مجرم کے حامیوں اور ساتھیوں کی بھی پکڑ ہوتی ہے۔

آپ اپنا مطالعہ جاری رکھیں گے تو آپ کو اسی قرآن میں وہ گستاخ بھی ملے گا

marfat.com

جس کے دس عیوب قرآن نے کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں یہاں تک کہ اخیر میں اس کے نسب کا پول بھی کھول دیا ہے۔ پھر جس منہ سے اس نے رسول کی شان میں گستاخی کا جملہ نکالا تھا اسے سور کی تھوتھنی قرار دے کر اس پر دائمی عذاب کی مہر بھی لگا دی ہے۔ کتاب کے ضخیم ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو قرآن حکیم میں اس طرح کے بے شمار مقامات میری نظر میں تھے۔ اس لیے اتنے ہی پر بس کرتے ہوئے اب میں پھر آپ کی گرانقدر توجہ حضرت فاضل مصنف کے ان ایمان افروز ارشادات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اس آیت کریمہ کے ذیل میں انھوں نے ثبت فرمائے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

اس آیت شریفہ میں جن لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برآمد ہونے کا انتظار نہ کر کے انھیں پکارنا شروع کیا ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ وہ بے عقل ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ان کے دماغوں میں کچھ فتور تھا جس کی وجہ سے ان کو مجنون کہا گیا یا کوئی اور بات ہے۔

یہ کسی کتاب میں بھی نہ ملے گا کہ وہ چند دیوانے تھے جو اتفاق کر کے آئے اور گڑبڑ کر کے چلے گئے بلکہ کتب احادیث و تفاسیر سے ثابت ہے کہ بہت بڑے ہوشیار اور ساری قوم کے مدبر لوگ منتخب ہو کر اس غرض سے آئے تھے کہ شعر و سخن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر اور خطیب پر سبقت لے جائیں باوجود اس کے بے وقوف بتائے جا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منشا اس کا کچھ اور ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی کی عقل سلیم میں کجی نہیں ہوتی بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگان حق کے ساتھ برابری کیونکر ہو سکے گی اس لیے کہ یہ تو حق تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔

marfat.com

الحاصل حماقت اور بے وقوفی بے ادبوں کی نص قطعی سے ثابت ہو گئی۔ (ص ۲۰۸)

چھٹی آیت

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا۔	تم اپنے درمیان رسول کے پکارنے کو ایسا مت ٹھہرالو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

تشریح

اس آیت کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں بہا کلمات ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت موصوف نے اپنے علم وفضل کے کیسے کیسے جواہرات بکھیرے ہیں۔ تفسیر درمنثور کے حوالہ سے ارشاد فرماتے ہیں۔

بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نام اور کنیت کے ساتھ پکارتے تھے جیسے کوئی اپنے بھائی کو پکارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پکارنے سے لوگوں کو منع کر دیا اور تاکید فرمائی کہ کامل عجز ونیاز کے ساتھ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر انھیں پکارا کریں جس سے عظمت وشرف اور تعظیم وتوقیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہو۔

حق تعالیٰ کو اتنی بات بھی گوارا نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکارے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے بھی تمام قرآن شریف میں حضرت کو نام کے ساتھ کہیں خطاب نہیں فرمایا۔ بلکہ جب بھی خطاب کیا یا ایھا النبیؐ وغیرہ صفات کمالیہ کے ساتھ ہی انھیں خطاب کیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کمال درجہ کی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں

marfat.com

پر ظاہر کرنا حق تعالیٰ کو منظور ہے۔ ورنہ وہی حضرت آدم اور دوسرے انبیائے اولوالعزم کو ان کی جلالت شان کے باوجود نام ہی کے ساتھ خطاب فرماتا ہے۔ (ص ۲۰۸)

اس کے بعد حضرت فاضل مصنّف نے اس آیت کریمہ کے ذیل میں ایک عجیب و غریب نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

یہاں سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ قرآن شریف میں گویا ایک طرح کا التزام نعت نبوی کا رکھا گیا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ پکارنے کا مقصد یہ ہے کہ جس کو پکارا جائے وہ اپنی ذات کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔ اب اگر کسی کو صرف اس کے نام کے ساتھ پکارا جائے تو اس سے صرف اتنا ہی مقصد حاصل ہو گا کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے گا لیکن اگر اس کے کسی وصف خاص کے ساتھ پکارا جائے تو توجہ کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت و تعریف کا اظہار بھی ہو جائے گا۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر پکارنے سے جہاں یہ مقصد حاصل ہوتا ہے کہ جسے پکارا جا رہا ہے وہ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے وہیں دوسرا مقصد یہ بھی حاصل ہو گا کہ ہر پکار میں حضور کی نبوت و رسالت کا بھی اظہار ہوتا رہے گا جو حضور کے جملہ اوصاف میں سب سے بڑا وصف ہے بلکہ جملہ اوصاف و کمالات کا مدار وہی ہے۔ (ص ۲۰۹)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

حضرت فاضل مصنّف نے اس آیت کریمہ کے ذیل میں ایک اعتراض اور اس کے جواب میں نہایت شاندار بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

marfat.com

یہاں ایک اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ ابوامامہ ابن سہیل سے جو حدیث نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، امام احمد ابن حنبل، حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔ اُس میں یہ واقعہ نقل ہوا ہے کہ جس زمانے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تخت خلافت پر جلوہ فرما تھے، ایک صاحب ان کی خدمت میں کسی ضرورت سے ہر روز حاضر ہوتے تھے لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

ایک دن انھوں نے یہ واقعہ حضرت عثمان ابن حُنیف سے بیان کیا۔ انھوں نے مقصد کی کامیابی کے لیے انھیں ایک عمل بتایا اور کہا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو اور دُعا کے بعد اپنا مقصد عرض کرو۔ خدا نے چاہا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰی لِیْ فَشَفِّعْہُ فِیَّ۔

اس دُعا کا ترجمہ یہ ہے:

یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمد میں آپ کے وسیلے سے اپنی حاجت کے بارے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کی جائے۔ تو آپ میرے بارے میں اللہ کے حضور سفارش کر دیجیے۔

چنانچہ انھوں نے اسی ترکیب کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسرے دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی وہ ان تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ دربان نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت عثمان نے پورے اعزاز و تکریم کے ساتھ انھیں اپنی مسند پر بٹھایا اور فوراً ان کی حاجت پوری کر دی۔

marfat.com

اور فرمایا کہ آئندہ تمہیں کسی طرح کی حاجت پیش آئے تو سیدھے میرے پاس آجایا کرو۔

اُسی دن وہ صاحب حضرت عثمان ابن حُنیف کے پاس گئے اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کی سفارش سے آج حضرت عثمان غنی نے میری حاجت پوری فرما دی اور وہ میرے اوپر اتنے مہربان ہوگئے کہ آئندہ کے لیے بھی میرا راستہ کھل گیا۔

حضرت عثمان ابن حنیف نے فرمایا کہ میری تو اُن سے ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے اس لیے سفارش کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ سارا اثر اسی نماز کا ہے جس کی ترکیب میں نے آپ کو بتائی تھی۔

کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ حضور کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی کہ میرے لیے دُعا فرمایئے کہ میں بینا ہو جاؤں۔ حضور نے اسے اسی نماز کی تلقین فرمائی تھی۔ جیسے ہی اس نے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دُعا مانگی ابھی اپنی جگہ سے اُٹھا بھی نہیں تھا کہ اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ اسی وقت سے حاجت براری کے لیے یہ نماز مسلمانوں میں رائج ہوگئی۔

حضرت امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اس نماز کے بارے میں یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد جو دُعا کی جاتی ہے اس میں لفظ محمد کے ساتھ حضور کو ندا کی جاتی ہے جبکہ قرآن حکیم کی رو سے نام کے ساتھ حضور کو پکارنے کی ممانعت ہے۔

انھوں نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ اس نماز اور دعا کی تعلیم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس لیے دعا کے الفاظ میں کسی طرح کا ردّ و بدل نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس لیے بھی وہ مناسب نہیں ہے کہ خود نماز کی تاثیر کے ساتھ ان الفاظ کا گہرا تعلق ہے کہ یہ الفاظ حضور کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں۔

(ص ۲۵۵)

marfat.com

ساتویں آیت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ۔

اے ایمان والو! (نبی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے) راعِنا مت کہا کرو بلکہ اُنظرنا کہا کرو۔

تشریح

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ یہودی مذہب کے لوگ جب حضور سے گفتگو کرتے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے رَاعِنَا کہا کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں۔ یعنی اچھی طرح بات ذہن نشین کرادیں چنانچہ انھیں دیکھ کر صحابۂ کرام بھی حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے رَاعِنَا کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں رَاعِنَا کا لفظ گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی رَاعِنَا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ تم رَاعِنَا کے بجائے اُنظُرْنَا کہا کرو یعنی ہماری طرف نگاہ کرم مبذول فرمائیں۔ یعنی وہ لفظ ہی ترک کردو جس میں توہین کا بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابۂ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انھوں نے اعلان کردیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اس کی گردن ماردو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس آیت کریمہ کے ذیل میں فاضل مصنف کے قلم حقیقت رقم سے نکلے ہوئے یہ گنجہائے گرانمایہ ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

ہر چند صحابۂ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لیے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرمادیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے

marfat.com

کہ جس لفظ میں کنایۃً بھی توہین نہ تھی صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشایستہ جن میں صراحتہً حضور کی کسرشان ہو کیونکر جائز ہوں گے۔ (ص ۲۱۲)

فاضل مصنف کا یہ دوسرا پیراگراف بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن ماردی جائے۔ بالفرض کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ حکم عام تھا بیشک اس کی گردن ماردی جاتی۔ اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ اس لفظ سے تمہاری کیا مراد تھی؟

اب غور کرنا چاہیئے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحتہً یا کنایۃً کس درجہ قبیح ہوگا۔ (ص ۲۱۲)

اب اس بحث کے خاتمے پر غیرت عشق و وفا میں بھیگے ہوئے حضرت مصنف کے یہ تاثرات پڑھیئے۔ سطر سطر سے لہو کی بوند ٹپک رہی ہے۔ اور لفظ لفظ ایمان کی حرارت سے تپا ہوا ہے:

اگر صحابہ کے روبرو جن کے نزدیک رَاعِنَا کہنے والا مستوجب قتل تھا کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا سزا سے بچنے کے لیے تاویلات بارد وہ کچھ مفید ہو سکتیں ہرگز نہیں۔

مگر اب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اُس زمانے کو یاد کر کے اپنی بے بسی پر رو دیا جائے۔ اب پرانے خیالات والے وہ پختہ کار کہاں ہیں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کر دئے تھے۔ ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے

marfat.com

چراغ کو آخری زمانے کی ہوا نہ دیکھ سکی۔

غرض میدان خالی پا کر جس کو جو چاہتا ہے کمال جرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دلیری کو دیکھئے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں قابلِ سزا تھیں، اُنہی پر ایمان کی بنا قائم کی جا رہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون کیا ہوگا۔؟ (ص ۲۱۳)

فاضل مصنف کی یہ عبارت بار بار پڑھئے اور ہر بار اپنے دل کے کسی روزن سے جھانک کر دیکھئے کہ کیا وہاں غیرتِ عشقِ رسول نام کی کوئی چیز موجود ہے۔ اگر آپ کی غیرت بیدار ہوتی اور آپ گستاخانِ رسول کے لیے خطرہ بن گئے ہوتے تو ایک بوڑھے مصنف کے قلم کی نوک سے حسرتوں کا یہ خون نہیں ٹپکتا۔

آٹھویں آیت

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ۔

اے ایمان والو! نبی کے گھر میں صرف اس وقت جاؤ جب تمہیں بلایا جائے اور وہاں بیٹھ کر کھانا پکنے کا انتظار نہ کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو جاؤ اور جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں دل لگائے ہوئے وہاں مت بیٹھے رہو۔ کیونکہ اس بات سے نبی کو اذیت پہنچتی ہے اور وہ فرطِ حیا سے کچھ نہیں بولتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے حیا نہیں فرماتا۔

marfat.com

تشریح

اس آیت کریمہ میں بھی صحابۂ کرام کو نبی کے کاشانۂ اقدس میں داخل ہونے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن صرف روزہ و نماز اور عبادات کے احکام سکھانے کے لیے اترا ہے۔ منصب نبوت کا ادب و احترام اس کا موضوع سخن نہیں ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب فاضل مصنف کی تحریر کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیجیے۔ آیت کریمہ کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں :

ایک بار بعض صحابہ کھانا کھانے کے بعد آنحضرت کے دولت خانے میں تھوڑی دیر ٹھہرے رہے جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہوتی ہے ان کی وجہ سے حضور نہ اپنے مشاغل میں مصروف ہو سکے اور نہ مروت سے کچھ فرما سکے۔ غرض یہ کہ یہ بات کسی قدر گرانی خاطر کا باعث ہو گئی۔ اور اس کے فوراً ہی بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور کو گرانی خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔

شاید بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لیے نازل ہوا ہے مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تامل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ ان احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آداب سے بھی روشناس کراتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ گرانی خاطر کا لحاظ حق تعالےٰ کو اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سراسر گستاخانہ شان کی ہیں کس قدر غیرتِ الٰہی کو جوش میں لاتی ہوں گی۔ (ص ۲۱۶)

marfat.com

تعظیم وادب کے سلسلے میں حضور پاک کی عملی تعلیمات

دین میں تعظیم وادب کی اہمیت وضرورت پر قرآن کی آیات کریمہ سے استدلال کرنے کے بعد اب حضرت فاضل مصنف رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی سے چند ایسے نمونے پیش کر رہے ہیں جس سے ثابت ہو جائے کہ قابل احترام چیزوں کا ادب اور تعظیم اللہ پاک کا حکم بھی ہے اور رسول پاک کی سنّت بھی۔

اس موضوع پر حضرت مصنف نے چار حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

پہلی حدیث

دار قطنی نے کتاب المجتبیٰ میں حضرت ابو جہم سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حاجت بشری سے فارغ ہو کر بیر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے کہ میرا آمنا سامنا ہو گیا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضور نے جواب دینے میں توقف فرمایا یہاں تک کہ تیمم کرنے کے بعد حضور نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ جواب دینے سے سوا اس کے اور کوئی چیز مانع نہ تھی کہ میں باوضو نہ تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اِنَّہٗ لَمْ یَمْنَعْنِیْ اَنْ اَرُدَّ عَلَیْکَ السَّلَامَ اِلَّا اَنِّیْ لَمْ اَکُنْ عَلٰی طُھُوْرٍ۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

ظاہر ہے کہ لفظ وعلیکم السلام کچھ آیت قرآنی نہ تھی جسے پڑھنے کے لیے طہارت کا اہتمام ضروری تھا۔ اگرچہ حدث اصغر سے طہارت آیت قرآنی کی تلاوت کے لیے بھی شرط نہیں ہے۔ لیکن چونکہ سلام

marfat.com

حق تعالیٰ کا نام ہے اس وجہ سے بلا طہارت اسے زبان پر جاری کرنے سے تامل فرمایا۔ گویا اس سے اس بات کی تعلیم بھی مقصود تھی کہ ایسے امور سے گو اس کے کرنے کی اجازت ہو، احتراز کرنا اولیٰ اور انسب ہے۔ ص۲۲۴

دوسری حدیث

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ قوم یہود کے چند اشخاص حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست پیش کی کہ تھوڑی دیر کے لیے قفت تک تشریف لے چلیں جو مدینہ کے قریب ایک مقام ہے۔ چنانچہ حضور وہاں تشریف لے گئے اور بیت مدراس میں قیام فرمایا۔

حضور کے لیے ان لوگوں نے ایک مسند بچھا رکھی تھی جس پر حضور جلوہ افروز تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنا اصل مدعا پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہماری قوم میں سے کسی شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اس بارے میں آپ حکم صادر فرمائیں کہ اسے کیا سزا دی جائے۔ اس درخواست کے جواب میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ تورات منگوائی جائے۔

جب وہ لوگ تورات لے کر آگئے تو حضور مسند سے نیچے اتر آئے اور تورات کو مسند پر رکھ دیا کہ میں تجھ پر اور تیرے اتارنے والے پر ایمان لے آیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمہارے اندر جو بڑا عالم ہو اسے بلا لاؤ۔

چنانچہ ایک جوان آیا اور اس نے تورات سے ثابت کر دیا کہ یہودی مذہب میں زانی کو سنگسار کرنے کی سزا ہے۔ یہودی اس سزا کا انکار کرتے تھے۔ (ص۲۲۵)

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

باوجودیکہ اس زمانے میں تورات تحریف و تصحیف سے خالی نہ تھی لیکن حضور نے اس کا بھی احترام کیا کہ خود مسند سے نیچے اتر گئے اور تورات کو مسند پر جگہ دی۔ ص۲۲۵

marfat.com

تیسری حدیث

مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے صاحب کنزالعمال نے یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ہم مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوئے۔ اس وقت عین کعبہ شریف میں اور اس کے اطراف وجوانب میں تین سو ساٹھ بُت نصب تھے۔ حضور نے انھیں حکم فرمایا اور سارے بت سرنگوں ہو گئے۔ پھر قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔

اس کے بعد خانۂ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ اس موقعہ پر دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کی تصویریں دیواروں پر اس طرح بنائی گئی ہیں کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تیر ہے جس کے ذریعہ کفار فال لیا کرتے تھے۔

حضور نے یہ تصویریں دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَسْتَقْسِمُ بِالْاَزْلَامِ اللہ ان تصویر بنانے والوں کو ہلاک کرے، حضرت ابراہیم تیروں سے فال نہیں لیتے تھے"۔ اس کے بعد حضور نے زعفران منگوا کر اُن تصویروں پر لوت دیا جس سے تصویریں چھُپ گئیں۔

اب اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کی یہ ایمان افروز عبارت چشم عقیدت سے پڑھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بھی بتوں ہی کی قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جس طرح چاہا بنا لیا تھا۔ مگر اتنی بات ضرور تھی کہ ان حضرات کا نام ان فرضی تصویروں کے ساتھ منسلک ہو گیا تھا جس کا لحاظ کرتے ہوئے

marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مٹایا بھی تو معطر زعفران سے۔ ورنہ مٹانے والی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔

سبحان اللہ! کس قدر پاس ادب تھا کہ جہاں بزرگوار کا نام آگیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ بھی ایک طرح سے ادب کی رعایت کی گئی۔

اب مقام غور ہے کہ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا مرتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء سے بڑھا ہوا ہے ایسی بے اصل چیزوں کے ساتھ بھی صرف نام کا لحاظ کرتے ہوئے ادب کی رعایت فرمائی تو ہم آخری زمانے کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب ان آثار کے ساتھ کرنا چاہیئے جن کا بطور واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔

اور اگر بالفرض حضور کی طرف ان آثار کی نسبت صحیح بھی نہ ہو تو کم از کم اس کا تو لحاظ رکھنا چاہیئے کہ وہاں حضور کی نسبت تو ہے۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ بجائے نادم ہونے کے لوگ اسی عقیدہ والوں کو الٹا مشرک بناتے ہیں۔ (ص ۲۳۰)

چوتھی حدیث

صحاح ستہ میں حضرت ابو ایوب انصاری سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رفع حاجت کے وقت نہ قبلے کی طرف منہ کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو۔ اور دوسری حدیث میں جسے صاحب کنز العمال نے حضرت سراقہ ابن مالک سے روایت کیا ہے، جس میں حضور نے اس حکم کی علت کھول کر بیان کر دی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص رفع حاجت کے لیے بیٹھے تو اسے

marfat.com

چاہیئے کہ وہ قبلہ کی سمت کا احترام کرتے ہوئے اس کی طرف مُنہ کرکے نہ بیٹھے۔

پھر اسی کنزالعمال میں ایک حدیث مرسل بھی ہے جس میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بھول کر قبلہ کی طرف مُنہ کرکے پیشاب کرنے لگے پھر یاد آتے ہی قبلہ کی تعظیم کے خیال سے رخ پھیر لے تو اُٹھنے سے پہلے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اپنے حقیقت رقم قلم سے علم و عرفان کے جو گل بوٹے کھلائے ہیں اس کی خوشبو سے اپنا دماغ معطر کیجیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اگر عقل نارسا سے کام لیا جائے تو یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئے گی۔ کہ ان حالتوں میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا کیوں منع ہوا۔ خصوصًا اس مقام میں جہاں سے کعبہ شریف سینکڑوں ہزاروں کوس کے فاصلے پر ہو۔

اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ کعبہ شریف از قسم جمادات ہے۔ اس کی طرف صرف نماز میں متوجہ ہونا امتثال امر کے لیے کافی تھا لیکن ہر وقت اس کی تعظیم دل میں جمائے رکھنا اور حالتِ نماز کے علاوہ دوسری حالتوں میں بھی اس کا ادب ملحوظ رکھنا کیا ضروری ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں عامیوں کی سمجھ کو کچھ دخل نہیں ہے۔ جو لوگ آداب کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے واقف ہیں ان کی طبیعت خود گواہی دے گی کہ فضیلت و شرافت والی چیزوں کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں خواہ قریب ہوں یا بعید مؤدب رہنا ضروری ہے۔ (ص ۲۲۸)

عبارت کا یہ حصّہ بھی چشم بصیرت اور دیدۂ عبرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

جب بیت اللہ شریف کو بہ سبب شرافت یہ رتبہ حاصل ہوا

marfat.com

کہ ہر نزدیک اور دور والے پر اس کا ادب ضروری ٹھہرایا گیا تو جسے ذرا بھی نور بصیرت حاصل ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ خاص حبیب رب العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آداب کی کس قدر ضرورت ہوگی۔ (ص ۲۲۹)

marfat.com

بارگاہِ رسالت میں صحابہ کرام اور اکابرِ امّت کے شیوہائے ادب

اس عنوان کے تحت حضرت فاضل مصنّف نے احادیث و سِیَر کی مستند کتابوں سے ایسے واقعات جمع کئے ہیں کہ انھیں پڑھنے کے بعد ایمانی احساس کو ایک نئی تابندگی ملتی ہے اور آدمی شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے کہ منصب رسالت کے آداب کی جن نزاکتوں کو صحابۂ کرام اور اکابرِ اُمت نے برت کر دکھایا آج ہم ان سے واقف تک نہیں ہیں عمل کرنا تو بڑی بات ہے۔

اور یہ واقعات ان لوگوں کی پشت پر ایک عبرتناک تازیانہ سے کم نہیں ہیں جو تعظیم و ادب کے ہر موقعہ پر ہم سے سوال کرتے ہیں کہ حضور نے کہیں اس کا حکم دیا ہو کتابوں میں دکھایئے۔ ہم ان سے جواباً عرض کریں گے کہ صحابۂ کرام اور اکابرِ اُمّت کے وہ واقعات جو آنے والے اوراق میں درج کئے جا رہے ہیں آپ انھیں غور سے پڑھیئے اور بتایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جس ادب و احترام کا انھوں نے مظاہرہ کیا تھا کیا حضور نے انھیں اس کا حکم دیا تھا؟

تلاش بسیار کے بعد بھی آپ کو اس کے بارے میں حضور کا کوئی حکم نہیں ملے گا۔ سوا اس کے کہ صحابۂ کرام اور اکابرِ اُمّت نے ہر موقعہ پر خود اپنے ایمان کا تقاضا محسوس کیا اور اسے پورا کیا۔ لیکن جہاں سرے سے ایمان ہی کا فقدان ہو وہاں ایمان کا تقاضا پورا کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

ازراہ کرم دل کے اخلاص کے ساتھ چشم عقیدت وا کر کے ان واقعات کا مطالعہ کیجئے:

marfat.com

عام صحابہ کا شیوہ ادب

صحابۂ کرام کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسی والہانہ عقیدت و محبت تھی اس کے ثبوت میں مصنف کتاب نے کفار قریش کے ایک نمائندے کی زبانی جو ولولہ انگیز شہادت پیش کی ہے، وہ اہلِ ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور جذبۂ شوق کی امنگوں کے لیے ایک لویدِ جانفزا ہے۔

راویانِ حدیث بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صنادیدِ قریش نے عُروہ نام کے ایک جہاندیدہ شخص کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنا نمائندہ بنا کر وادیٔ حدیبیہ میں بھیجا۔ اس نے ہر رخ سے حضور کے لشکر کا جائزہ لیا، قدم قدم پر صحابۂ کرام کی جاں نثاری اور والہانہ جذبۂ وارفتگی کے بھی اس نے مناظر دیکھے۔ جب وہ واپس لوٹ کر مکہ گیا تو صنادید قریش کے سامنے جن الفاظ میں اس نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس نے کہا کہ:

"اے میری قوم! قسم ہے کعبہ کے پروردگار کی کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ قیصر و کسریٰ جیسے سطوت و جبروت والے سلاطین کی پیش گاہوں میں بھی گیا ہوں لیکن جس والہانہ محبت کے ساتھ محمد کے اصحاب محمد کی تعظیم کرتے ہیں اس کی مثال میں نے کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ جب وہ اپنی ناک صاف کرتے ہیں تو ان کے اصحاب اُسے اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے ہیں اور اسے اپنے جسم اور منہ پر ملتے ہیں اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کے لیے ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت کرتا ہے۔ اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اعضائے وضو سے جو پانی ٹپکتا ہے اسے حاصل کرنے کے لیے صحابہ اس طرح ایک دوسرے پر گرتے ہیں کہ جیسے جنگ و جدال

marfat.com

کی نوبت آجائے گی۔ اور صحابہ کے دلوں پر محمد کی ایسی ہیبت چھائی رہتی ہے کہ کوئی آنکھ بھر کر انھیں نہیں دیکھ سکتا۔

(المواہب اللدنیہ)

اس واقعہ میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابۂ کرام کو حضور نے حکم دیا تھا کہ جب میں ناک صاف کروں تو اسے اپنے ہاتھ پر لے کر اپنے چہرے اور جسم پر مل لیا کرو۔ اور جب میں وضو کرنے کے لیے بیٹھوں تو آشفتہ حال پروانوں کی طرح میرے گرد جمع ہو جایا کرو اور قبل اس کے کہ میرے اعضائے وضو سے ٹپکتا ہوا پانی زمین پر گرے تم اسے اپنے ہاتھوں پر روک لو اور اپنے چہرے اور جسم پر ملو۔ بلکہ یہ سارا ہنگامۂ شوق صحابۂ کرام کا خود اپنا برپا کیا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے نہ خدا کا کوئی حکم تھا نہ رسول کا۔ جو کچھ بھی تھا وہ خود ان کے ایمان بالرسول کا تقاضا تھا جس کے سمجھنے میں نہ ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی اور نہ نفس کی کوئی شرارت درمیان میں حائل ہو سکی۔

اور یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضور کے حکم کے بغیر صحابۂ کرام کے والہانہ جذبے کا یہ مظاہرہ اگر حرام و ناجائز ہوتا تو حضور یقیناً اپنے صحابہ کرام کو اس سے روک دیتے لیکن حدیث کی کتابوں میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ حضور نے صحابۂ کرام کو اس طرح کے اظہارِ عقیدت سے منع فرمایا ہو۔

ان ساری باتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نہ بھی حکم دیں جب بھی عقیدت و تعظیم کا تقاضا پورا کرنا صحابۂ کرام کی سنّت ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ تعظیم و عقیدت کا وہ عمل جو کسی حکم منصوص سے متصادم نہ ہو حضور کی طرف سے اس کی عام اجازت ہے۔

جانوروں کا شیوۂ ادب

سنن احمد اور نسائی کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

marfat.com

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کسی انصاری کے پاس ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ وہ اپنے باغ کو پانی پلایا کرتے تھے۔ ایک بار اس کا دماغ خراب ہوگیا اور ایسا بگڑا کہ کوئی اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔

اسی درمیان میں وہ انصاری ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بگڑنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے کھیت اور باغ مرجھا رہے ہیں۔

یہ قصہ سن کر حضور اپنے صحابہ کے ساتھ اس باغ میں تشریف لے گئے۔ جب حضور اونٹ کی طرف بڑھنے لگے تو انصاری نے عرض کیا۔ حضور! یہ اونٹ پاگل کتے کی طرح خطرناک ہوگیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے۔ حضور نے فرمایا لَیْسَ عَلَیَّ منہ بَاسٌ مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جونہی اونٹ نے حضور کو اپنی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھا وہ تیزی سے دوڑا اور حضور کے آگے سجدہ ریز ہوگیا۔ حضور نے اس کی پیشانی کا بال پکڑا جس سے وہ بالکل مسخر ہوگیا۔

یہ حدیث حضرت جابر سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت میں بیان واقعہ کے بعد میں اتنا اضافہ ہے کہ حضور کے سامنے اونٹ کا سجدہ ریز ہونا دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا کہ حیوانات و بہائم کے مقابلے میں ہمیں زیادہ حق پہنچتا ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ حضور نے جواب دیا کہ کسی بشر کو جائز نہیں کہ وہ بشر کو سجدہ کرے۔

اس حدیث کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ شاندار تبصرہ پڑھیے۔

جس کے پاس عقل سلیم اور فہم مستقیم ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ کس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابۂ کرام کے پیشِ نظر تھی کہ وہ حضور کو سجدہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے جس میں کمال درجہ کا تذلل ہے۔

عبارت کا یہ ٹکڑا بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی قسم کی عظمت جیسی صحابہ کے دلوں میں تھی ایک مدت تک مسلمانوں کے قلوب میں رہی مگر افسوس کہ چند روز سے پھر وہی مساوات کا خیال آخری زمانے کے بعض لوگوں کے سروں میں سمایا اور گویا یہ فکر شروع ہوئی کہ وہ سب باتیں جو کفار و مشرکین کیا کرتے تھے تازہ ہو جائیں۔ کبھی اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ میں غور و خوض ہوتا ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو حضرت نے بھائی کہا ہے اس لیے حضرت بڑے بھائی ہوئے۔ اب اس خیال نے یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ آیات و احادیث منتخب کی جاتی ہیں جن سے ان کے زعم میں منقصت شان نکلتی ہے۔ اور وہ احادیث جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ تواضع کچھ کہا ہے حضور کی کسر شان کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔ صـ۱۹۰

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوۂ ادب

کنز العمال میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار انھوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت مرحمت فرمانے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا:

لَا تَنْسَانَا يَا اُخَيَّ مِنْ دُعَآئِكَ

میرے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں یاد رکھنا

حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور کا یہ ارشاد میرے نزدیک اتنا گراں بہا تھا کہ اس کے مقابلے میں تمام روئے زمین کی سلطنت بھی ہیچ تھی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب نے اُس گستاخ فرقے پر اتنی کاری ضرب لگائی ہے جو حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی ہمسری کا خواب دیکھتا ہے، کہ وہ تلملا اٹھیں گے ارشاد فرماتے ہیں:

marfat.com

حضور کا یہ ارشاد سن کر ایک شخص کے دل کی وہ حالت ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اور اس زمانے کے کچھ لوگ اس حدیث شریف سے یہ معنیٰ نکالیں گے کہ اخوت امر اضافی ہے۔ زمانہ کے تقدم اور تاخر سے اگر کچھ فرق ہے تو صرف بڑے اور چھوٹے کا ہے یعنی حضرت بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے بھائی۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

(ص ۱۹۴)

اس کے بعد فرماتے ہیں:

ایسے شخص کو اس حدیث شریف سے اسی قدر حصہ ملا کہ سر میں ہمسری کا سودا سمایا اور یہ خیال آگے بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا کہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ تک پہنچا دیا۔ اب یہ شخص اُسی دُھن میں ہوگا کہ جہاں خود پہنچا ہے اوروں کو بھی وہیں پہنچا دے

شاید اس کے خیال میں یہ بات کبھی نہ آئی ہوگی کہ ہم کہاں اور شان رحمۃ للعالمین وسید المرسلین کہاں ؏

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

سلاطین اپنے خادموں اور غلاموں کو بھائی کہہ دیا کرتے ہیں بلکہ خود احادیث میں وارد ہے کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں اگر بادشاہ کے کہنے سے خدام اور غلام اپنے آقا کو بھائی سمجھنے لگیں تو وہ نہایت بے ادب اور احمق سمجھے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اپنی قرابت اور جلالت شان کے اپنے آپ کو حضور کا عبد اور غلام کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ مستدرک میں حاکم نے حضرت سعید ابن المسیب سے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔

اگر کسی قرابت کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درست ہوتا تو وہ والد اور پدر بزرگوار کا تھا کہ ان کی ازواجِ مطہرات کو حق تعالےٰ

marfat.com

نے امہات المومنین یعنی مسلمانوں کی ماں قرار دیا ہے لیکن اس کے باوجود حق تعالیٰ نے اس قرابت کی بھی نفی فرما دی جیسا کہ قرآن کی اس آیت کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ سے ظاہر ہے یعنی محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ (ص ۱۹۵)

حضرت ابوبکر صدیق کا شیوۂ ادب

بخاری شریف میں یہ حدیث حضرت سہل ابن سعد ساعدی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنی عمرو میں دو فریق کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ حضور اسی قبیلہ ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ اذان کے بعد جب جماعت کا وقت ہوا تو مسجد نبوی شریف کے مؤذن نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے اقامت پڑھی حضور کی غیر موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق امامت کے لیے آگے بڑھ گئے اور نماز شروع کر دی۔

اسی درمیان میں حضور تشریف لائے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔

جب نمازیوں نے حضور کو دیکھا تو حضرت ابوبکر صدیق کو خبردار کرنے کے لیے ہاتھ سے دستک دینے لگے۔ جب حضرت ابوبکر نے دستکوں کی آواز سنی تو گوشۂ چشم سے دیکھا کہ حضور ان کے پیچھے صف میں کھڑے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی فوراً وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور نے انھیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔

اس پر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور حضور کی طرف سے اس عزت افزائی پر خدا کا شکر ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد حضور امامت کے مصلّے پر تشریف لے گئے۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو ابوبکر صدیق سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے خود تمہیں حکم دیا تھا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو تو تمہیں اس حکم کی تعمیل سے کونسی چیز مانع ہوئی۔

marfat.com

حضرت ابوبکر نے جواب میں عرض کیا کہ ابو قحافہ کا بیٹا ہرگز اس لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے امام بن کر کھڑا ہو۔

اس واقعہ کا ظاہری پہلو واضح طور پر اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کے حکم کی خلاف ورزی کی لیکن اس کے باوجود وہ نافرمان نہیں کہے جاتے بلکہ حضور کے سب سے بڑے تابعدار کہے جاتے ہیں۔

آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

آپ گہرائی میں اتر کر سوچیں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ نافرمانی سے چونکہ حکم دینے والے کی تحقیر ظاہر ہوتی ہے اس لیے نافرمانی کو بُرا سمجھا جاتا ہے اور اسی کے بالمقابل فرماں برداری سے چونکہ حکم دینے والے کی تعظیم نکلتی ہے اس لیے فرماں بردار کو اچھا کہا جاتا ہے۔

لیکن اگر کسی مقام پر معاملہ اس کے برعکس ہو جائے اور نافرمانی سے حکم دینے والے کی عظمت ظاہر ہوتی ہو تو ایسی نافرمانی جائز ہی نہیں بلکہ قابلِ تحسین ہے جس کا اظہار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل سے ہوتا ہے۔ انھوں نے ہمیں روشنی دکھلائی ہے کہ منصب رسالت کا ادب و احترام دین کی اساس ہے جب تعظیم کی بنیاد پر حکم کی خلاف ورزی قابلِ تحسین عمل بن سکتا ہے تو ثابت ہوا کہ تعظیم کا حکم محتاج حکم نہیں ہے بغیر حکم کے بھی نبی کی تعظیم کی جائے گی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوۂ ادب

مسلم شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ صلح حدیبیہ کے دن صلح نامہ کی عبارت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھ رہے تھے جب انھوں نے صلح نامہ کی یہ سرخی لکھی کہ هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہ وہ نکات ہیں جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا۔ تو کفار مکہ کے نمائندوں کی طرف سے اعتراض ہوا کہ اس کاغذ پر رسول اللہ

marfat.com

کا لفظ نہیں لکھا جا سکتا۔ کیونکہ اگر ہم ان کو اللہ کا رسول ہی مانتے تو اُن کے ساتھ جنگ ہی کیوں کرتے۔ یہ سُن کر حضور نے حضرت علی کو حکم دیا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو اور اس کی جگہ ابن عبداللہ لکھو۔ حضرت علی نے جذبہ عقیدت میں سرشار ہو کر جواب دیا۔ مَا اَنَا بِالَّذِیْ اَمْحَاہُ۔ میں وہ شخص نہیں ہوں کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا سکوں۔ حضرت علی کا یہ جواب سُن کر حضور نے خود اپنے ہاتھ سے اس لفظ کو قلمزد کر دیا اور اس کی جگہ پر ابن عبداللہ لکھا۔

اب ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف نے علم و عقیدت کے جو جو جواہرات بکھیرے ہیں ان کی چمک سے اپنی بصیرت کا نور بڑھایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

اب تعمق نظر کی ضرورت ہے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ کا لفظ مٹانے کا امر فرمایا تھا مگر ان دونوں حضرات سے حکم کی تعمیل نہ ہو سکی۔ حالانکہ حق تعالیٰ کا صاف و صریح ارشاد ہے کہ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ رسول تمہیں جس بات کا حکم کریں اُسے کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اور دوسری آیت میں ارشاد باری ہے کہ "کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ اختیار نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم صادر ہو جائے تو وہ اس سے سرتابی کریں۔"

یہاں ایک خلجان پیدا ہوتا ہے جس کے ازالہ کے لیے تعمق نظر درکار ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات سے عدول حکمی عمل میں آئی اور وہ بھی اس موقعہ پر جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس موجود ہیں اور روبرو حکم دے رہے ہیں۔

marfat.com

اور اس بات کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات میں گویا سرتابی کا مادہ ہی نہ تھا کہ ایک اشارے پر جان دیدینا ان کے لیے کچھ بڑی بات نہ تھی۔ اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ عدول حکمی خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف تھی کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو خود حضور انھیں تنبیہ فرماتے بلکہ کوئی آیت نازل ہو جاتی۔

اب اس خلجان کا ازالہ اسی طرح کیا جا سکتا ہے کہ اُن حضرات کا پاس ادب جو سچے دل سے تھا وہ ایسا با فروغ تھا کہ اس کے مقابلے میں عدول حکمی قابلِ التفات نہ ہوئی۔

اب ذرا صورت حال کی کشمکش کا اندازہ لگائیے کہ ایک طرف یہ نفس نفیس سید المرسلین آمنے سامنے حکم دے رہے ہیں اور دوسری طرف دل پر ادب کا اس قدر تسلط ہے کہ تعمیل حکم کے لیے نہ ہاتھ یاری دیتے ہیں نہ پاؤں میں حرکت ہوتی ہے۔ آخر ان دونوں صدیقوں کو ادب کی شہ پر وہی کرنا پڑتا ہے جو ادب کا مقتضا تھا اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب نص قطعی کے مقابلہ میں ادب ہی کو ترجیح ہوئی تو دین میں ادب کا مقام کتنا بلند ہے؟ (ص ۲۳۲)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوۂ ادب

کنز العمال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ جس دن سے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اپنا داہنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اس دن سے آج تک میں نے اپنے داہنے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔

اور کنز العمال ہی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ ایک دن حضور کسی باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک مکان میں

marfat.com

رونق افروز ہوئے۔ اسی درمیان دروازے پر ایک شخص نے دستک دی۔ حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنّت کی بشارت دو۔ یہ خبر بھی دے دو کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جیب میں باہر نکلا تو دیکھا تو دروازے پر حضرت ابوبکر صدیق کھڑے ہیں۔ اس کے بعد پھر کسی آنے والے نے دروازے پر دستک دی، حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنّت کی بشارت دو اور اسے اس کی بھی خبر کر دو کہ میرے بعد اسے میرا خلیفہ بننے کا شرف حاصل ہوگا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جیب باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عمر فاروق کھڑے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ ابھی کچھ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنّت کی بشارت دو اور اُسے یہ خبر بھی پہنچا دو کہ عمر کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے اور وہ قتل کئے جائیں گے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جیب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عثمان کھڑے ہیں۔ وہ اندر آئے تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں کبھی کسی گانے بجانے کی محفل میں شریک نہیں ہوا اور نہ میری زبان کبھی جھوٹ پر آمادہ ہوئی۔ اور جس دن سے میں نے اپنا داہنا ہاتھ حضور کے دست مبارک میں دیا اس دن سے آج تک اُس ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھُوا۔ حضور نے فرمایا۔ یہی بات ہے عثمان۔ یعنی انہی خوبیوں کی وجہ سے بارگاہِ خداوندی میں تمہاری مقبولیت ہے۔

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنّف کے یہ ایمان افروز نکات ملاحظہ فرمائیں جن سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

اب یہاں پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیعت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو

marfat.com

ہاتھ دیا تھا اس میں کس قسم کا اثر دست مبارک کا رہ گیا تھا جس کی اس قدر رعایت کی گئی۔

باطن کا حال تو وہی لوگ جانتے ہیں جو اس کے اہل ہیں لیکن ظاہر میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے عقل متوسط تسلیم کرلے۔ رہا اعتقاد سے مان لینا تو وہ بالکل دوسری بات ہے۔

غرض کچھ بھی سہی کسی مسلمان سے یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت عثمان کے اس فعل پر اعتراض کرے۔ اور فعل بھی کیسا جس پر خود شارع علیہ السلام کی رضامندی کی مہر لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اس قسم کا خیال صرف اُنہی کا تھا بلکہ اس قسم کی باتیں اکثر صحابہ و تابعین سے مروی ہیں۔ الحاصل اگرچہ حقیقت اس کی معلوم نہ ہوسکی لیکن اعتقاد مان لینا پڑے گا کہ جس چیز کو دست مبارک یا جسم شریف کے مس سے شرافت حاصل ہوگئی اس میں کسی نہ کسی طرح کی فضیلت ضرور آگئی۔

تبصرہ کا یہ حصّہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

پھر دوسری بحث طلب بات یہ ہے کہ شرمگاہ میں کونسی ایسی برائی رکھی تھی کہ وہاں متبرک ہاتھ لے جانا مذموم سمجھا گیا۔ اکثر احادیث و آثار سے تو یہی ثابت ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے دوسرے اعضا کی طرح۔

البتہ اس عضو میں اگر کوئی کراہت ہے تو وہ طبعی ہے اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس طبعی کراہت کو بھی ادب نے اتنا بڑھایا کہ شرعی کراہت سے بھی زیادہ اس کی حس بڑھ گئی اور ساری عمر وہ اس فعل سے بچتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا اثر دکھانے میں نہ وہ کسی امر کی منتظر ہے اور نہ

marfat.com

کسی نظیر کی محتاج! بلکہ اہلِ ایمان میں وہ ایک قوت راسخہ کا نام ہے جو ادب کرنے والوں کو معظم کے آگے جھکنے اور اس کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ (ص ۲۴۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شیوۂ ادب

کنز العمال میں حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ مدینہ میں ایک شخص کا نام محمد تھا۔ ایک دن حضرت عمر کہیں سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے سُنا کہ محمد نام والے شخص کو ایک آدمی بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔ یہ سُن کر چلتے چلتے وہ رُک گئے اور اس شخص کو جس کا نام محمد تھا اپنے قریب بلایا اور فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نام کی وجہ سے نام پاک کی بے حرمتی ہو رہی ہے اس لیے آج سے میں تمہارا نام بدل رہا ہوں۔ اب آج کے بعد سے تم بجائے محمد کے عبدالرحمٰن کے نام سے پکارے جاؤ گے۔

اس درمیان میں حضرت عمر کی نظر حضرت طلحہ کے بیٹے پر پڑی ان کا نام بھی محمد تھا۔ حضرت عمر نے ان کا نام بھی بدلنا چاہا تو انھوں نے کہا کہ میرا نام حضور نے محمد رکھا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر پر سکتہ طاری ہو گیا اور فرمایا اب تمہارا نام کوئی نہیں بدل سکتا۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف اپنی غیرت ایمانی کا جلوہ دکھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد کو گالیاں دیئے جانا انھیں گوارا نہ ہوا مگر اصل واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے نام لے کر گالی دی جس سے نام کی توہین کا سوال اٹھتا بلکہ اس نے تو اس کی ذات کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تیرے ساتھ خدا ایسا کرے ویسا کرے۔ اس سے نام کی توہین کیسے نکل آئی؟

marfat.com

اب اس کی اصل وجہ سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کا نام محمد رکھو اس کی بے حرمتی مت کرو۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہوا کہ نام کی وجہ سے اس کی ذات میں بھی کسی نہ کسی طرح کی شرافت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔

اگرچہ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے لیکن جب اس باب میں صراحتہً حدیثیں وارد ہیں تو اہلِ ایمان سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ حضور کے ارشاد کے مقابلے میں عقل کی سنیں۔ ایمان تو اسی کا نام ہے کہ جو حضرت نے فرما دیا اسے بے چون و چرا مان لیا۔ اگر وہ عقل کے مطابق ہے تو فبہا ورنہ عقل کو اس ارشاد کے آگے قربان کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ کسی چیز پر متبرک نام آنے کی وجہ سے اس چیز کا مکرم و محترم ہو جانا شارع پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے۔ ص ۲۶۲

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اور شیوۂ ادب

کنز العمال میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک دیہاتی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ کیا آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا نہیں! میں خالفہ ہوں۔

جوہری نے مختار الصحاح میں لکھا ہے کہ خالفہ گھر کے اُس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لیے ازراہِ ادب آپ نے اپنے کو اس لفظ کا مصداق نہیں سمجھا۔ اور اس لفظ کو ایک ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔

اب اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ حق افروز اور باطل سوز تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

marfat.com

جب حضرت ابوبکر صدیق جیسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد اپنے آپ کو حضور کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم کونسا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔

معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے۔ اگر اپنے آپ کو وہ لوگ حضور کے برابر کرنا چاہتے ہیں تو حضور کے وہ فضائل و خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو نصیب نہیں ہوئے، ان کے اندر کہاں سے پیدا ہو جائیں گے۔

اور اگر اپنے برابر کر کے وہ حضور کی شان گھٹانا چاہتے ہیں تو ان لوگوں پر اِنْ کُنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کا مضمون صادق آتا ہے غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی راہ نہیں ہے۔ (ص ۲۳۴)

ایک ہی شیوۂ ادب متعدد اکابر صحابہ کا

دلائل النبوۃ میں حضرت قیاث لیثی کے متعلق یہ روایت نقل کی گئی ہے جن کی ولادت حضور سے پہلے ہوئی تھی کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ اَنْتَ اَکْبَرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ! انھوں نے جواب دیا کہ ھُوَ اَکْبَرُ مِنِّیْ وَاَنَا اَسَنُّ مِنْہُ بڑے تو وہی ہیں البتہ میری عمر زیادہ ہے۔

اسی طرح کی روایت دلائل النبوۃ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی نقل کی گئی۔ ان سے بھی کسی نے یہی سوال کیا تو انھوں نے بھی جواب میں کہا ھُوَ اَکْبَرُ مِنِّیْ وَاَنَا اَقْدَمُ مِنْہُ فِی الْمِیْلَادِ بڑے وہی ہیں صرف میری پیدائش ان سے پہلے ہے۔ اسی طرح کا شیوۂ ادب ابن عساکر اور ابن نجار نے حضور کے چچا حضرت عباس کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ ان سے بھی کسی نے

marfat.com

پوچھا تھا کہ اَنْتَ اَکْبَرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ آپ بڑے ہیں یا رسولِ پاک تو انھوں نے بھی جواب میں یہی کہا تھا۔ بڑے وہی ہیں میں صرف پہلے پیدا ہوا ہوں۔

اور اسی طرح کی روایت صاحب کنز العمال نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی نقل فرمائی ہے کہ ایک موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان سے دریافت کیا کہ میں بڑا ہوں یا تم بڑے ہو۔ تو انھوں نے کمال ادب سے جواب دیا اَنْتَ اَکْبَرُ وَاَکْرَمُ وَاَنَا لَاَسَنُّ مِنْكَ آپ ہی بڑے اور بزرگ ہیں، میری تو صرف عمر زیادہ ہے۔

اب ان ساری روایات کے ذیل میں حضرت مُصنف کے نورانی احساسات کے افق پر عشق و ایمان کی طلوع ہوئی صبح صادق کا یہ منظر دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

اب اس ادب کو دیکھئے کہ باوجودیکہ اس موقع میں لفظ اَکْبَر اور اَسَنّ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے صراحتہً اس کی نفی کردی اور مجبوراً لفظ اَسَنّ کا ذکر کیا۔ کیونکہ صراحتہً مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اس کے اور کوئی لفظ نہ تھا۔

پھر قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی تعظیم و تکریم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور صدیق اکبر جو بارگاہ رسالت کے سب سے مقرب اور معتمد کہے جاتے ہیں جب ان حضرات کا ادب میں یہ حال ہو تو ہم لوگوں کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ (ص ۲۳۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوۂ ادب

بخاری شریف میں حضرت ابورافع سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت ابوہریرہ

marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ شریف کی کسی گلی سے گزر رہے تھے کہ اچانک حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہوگیا۔ حضور کو دیکھتے ہی وہ چھپ گئے جب تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو حضور نے ان سے چھپنے کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے عرض کیا مجھے اس وقت غسل کی حاجت تھی۔ اس حالت میں مجھے آپ کے سامنے آنا خلاف ادب محسوس ہوا۔ یہ سُن کر حضور نے ارشاد فرمایا سُبْحَانَ اللہ! مومن نجس نہیں ہوتا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ ایمان افروز بیان پڑھیے، ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ جو اس حالت میں الگ ہوئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمال درجہ کی عظمت حضرت کی ان کے دل میں تھی جس نے ان کی عقل کو مقہور کر کے ان کے دل کو اس ادب پر مجبور کر دیا تھا آخر وہ بھی جانتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا امر حکمی ہے حِسّی نہیں ہے کہ دوسرے کو اس سے کراہت محسوس ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہو سکتا۔

ہر چند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ شرعیہ بیان فرما دیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے سے کونسی چیز انھیں مانع ہوئی۔ سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ صرف فرط ادب کی وجہ سے وہ حاضر نہ ہو سکے۔ اگر ان کا یہ فعل حضور کو ناگوار ہوتا تو حضور صراحت کے ساتھ انھیں منع فرما دیتے کہ آئندہ وہ اس غلطی کا اعادہ نہ کریں لیکن حضور اس نکتہ سے واقف تھے کہ مومن کا نجس نہ ہونا تقاضائے ادب کے لیے مانع نہیں ہے ص ۲۴۲

---

marfat.com

عام صحابۂ کرام کا شیوۂ ادب

مستدرک اور حاکم میں حضرت عبداللہ ابن بریدہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جب حاضر ہوتے تھے تو فرط ادب سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے اور مستدرک ہی میں حضرت عبدالرحمٰن ابن قرط سے یہ روایت منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ لوگ حلقہ بنا کر اس طرح ساکت وجامد بیٹھے ہیں کہ گویا ان کی گردنوں پر سر ہی نہیں ہیں۔ قریب جا کر دیکھا تو ان کے بیچ میں حضرت حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں اور حضور کی حدیث بیان کر رہے ہیں۔

اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ روح پرور تأثرات ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب ذرا زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ اس نے ان حضرات کے مسلک سے ہمیں کتنا دور کر دیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے ان کے قلوب ایسے مؤدب و مہذب تھے کہ قسم قسم کے آداب اور حسن عقیدت پر دلالت کرنے والے طرح طرح کے طریقے وہ خود اپنی طبیعت سے ایجاد کر لیتے تھے اور اصول شرعیہ پر انھیں منطبق کر لیتے تھے جس کا سمجھنا بھی شاید اس زمانے میں بآسانی نہ ہو سکے۔ غرض وہ ہر قسم کا ادب ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لیے کہ اس وقت تک بے ادبی کی بنیاد نہیں پڑی تھی۔ خیر القرون کا یہ حال تھا اور اب آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ ان حضرات کے اتباع میں اگر کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔ صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب

marfat.com

نصیب فرمائے۔

حضرت اسلم ابن شریک کا شیوۂ ادب

امام طبرانی نے اسلم ابن شریک سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر حضور تشریف رکھتے تھے ایک رات سفر میں مجھے نہانے کی حاجت ہوگئی۔ اسی درمیان میں حضور نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اب میں بہت کش مکش میں مبتلا ہوگیا کہ کیا کروں۔ ایک طرف سخت سردی کی رات میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے ہوئے ہلاکت یا بیماری کا خطرہ لاحق تھا۔ دوسری طرف کسی طرح طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں حضور کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا۔ انھوں نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

قافلہ روانہ ہوجانے کے بعد میں نے کسی طرح پانی گرم کیا اور غسل کرنے کے بعد تیز تیز چل کر قافلہ سے جا ملا۔ حضور نے مجھے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ آج کیا بات ہے کہ میری اونٹنی کا کجاوہ کچھ بدلا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے نہانے کی حاجت پیش آگئی تھی۔ اس لیے مجھے گوارا نہ ہوا کہ اس حالت میں آپ کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ مجبوراً اپنے ایک ساتھی سے درخواست کی اور آج اس نے کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

اسلم کہتے ہیں کہ اسی موقعہ پر وہ مشہور آیت نازل ہوئی جس میں سفر کی حالت میں غسل جنابت کے لیے تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گرانمایہ کلمات ملاحظہ فرمایئے۔

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالتِ جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ

marfat.com

ہوا۔ اگر بچشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا۔ جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیئے تھے۔ اب اگر کوئی شخص اپنی نسبت تحقیقی ایمان کا دعویٰ کر کے یہ کہے کہ یہ خیالات ایام جاہلیت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایماندار شخص اس کلام کی طرف التفات کرے گا۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ چودھویں صدی ولا حوش اعتقادی میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے۔

پھر اگر بات بڑھائی جائے تو یہ سلسلہ وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں سب کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس بات کا ذکر خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں ہو جائے اور اسی کے بعد صورتِ حال کی مناسبت سے قرآن کی آیت بھی نازل ہو جائے تو اب اس فعل کے قابلِ تحسین ہونے میں کیا شبہ ہے؟

الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو بزرگانِ دین کا جس قدر ادب کیا جائے محمود ہی محمود ہے۔ (ص ۲۴۴)

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوۂ ادب

سنن ابی داؤد میں حضرت عبد ابن فیروز سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے ایک دن حضرت براء ابن عازب سے دریافت کیا کہ کن کن جانوروں کی قربانی ناجائز ہے۔

انھوں نے کہا کہ حضور ایک دن ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اور خطبہ کے دوران اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اور میری انگلیاں حضور کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔ اتنا کہنے کے بعد اب حضور کا ارشاد نقل کیا کہ چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے، ایک وہ جس کی آنکھ چھوٹی ہو، دوسرا وہ

marfat.com

جو سخت بیمار ہو، تیسرا وہ جس کا لنگڑا ہونا ظاہر ہو، اور چوتھا وہ جو نہایت لاغر ہو۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں مایہ احساسات ملاحظہ فرمائیں۔

حضور نے اپنے خطبہ کے دوران اپنی چار انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ حضرت براء ابن عازب کو ان کے شیوۂ ادب نے اجازت نہیں دی کہ حضور کے دست مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کریں۔ اس لیے درمیان میں انھوں نے سلسلۂ کلام کو توڑ دیا اور جملۂ معترضہ کے طور پر کہا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جنھیں حضور کی انگلیوں سے کچھ نسبت نہیں ہے۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعیین عدد ہے۔ نہ بظاہر اس میں کسی طرح کی مساوات کا شائبہ ہے اور نہ سوء ادب! لیکن اس کے باوجود صحابی کے شیوۂ ادب نے دست مبارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آتی تھی۔

اہلِ ایمان کے لیے یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ باوجودیکہ حضور نے صحابہ کو حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اس طرح کا ادب کریں لیکن ان کا شیوۂ ادب خود ایمان کا تقاضا محسوس کر لیتا تھا۔ (ص ۲۳۷)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا شیوۂ ادب

بخاری شریف میں اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت ام عطیہ کی عادت تھی کہ وہ حضور کا نام لیتے وقت

marfat.com

فداہ ابی وامی کہا کرتی تھیں یعنی میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں۔ یہی شیوۂ ادب اکثر صحابہ کا بھی تھا۔ حضور کی حیات ظاہری میں بھی اور وصال شریف کے بعد بھی۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ روبرو تو روبرو غائبانہ بعد وفات شریف بھی وہ ادب ملحوظ ہوتا تھا کہ حیب تک اپنے ماں باپ کو فدا نہیں کر لیتے تھے صحابۂ کرام حضور کا نام مبارک نہیں لیتے تھے۔ (ص ۲۵۲)

حضرت امام مالک کا شیوۂ ادب

درمنظم میں ابن حجر ہیتمی نے اور کتاب الشفاء میں قاضی عیاض نے ابن حمید سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک بار خلفائے عباسیہ کے سلسلے کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر منصور کے ساتھ حضرت امام مالک کا کسی مسئلہ میں مباحثہ ہوا۔ گفتگو مسجد نبوی شریف کے صحن میں ہو رہی تھی۔ اثنائے گفتگو میں ابوجعفر منصور کی آواز بلند ہو گئی اس پر حضرت امام مالک نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے امیر المومنین! اس مسجد میں آواز بلند مت کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آواز بلند کرنے پر اُن لوگوں کی تنبیہ فرمائی جو آپ سے کہیں بہتر تھے۔ اور ان لوگوں کی مدح سرائی کی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اپنی آواز پست رکھتے تھے۔ اور ان لوگوں کی مذمت کی جو حجرۂ شریف کے باہر سے باآواز بلند آپ کو پکار رہے تھے۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کا یہ حکم جس طرح حضور کی حیات ظاہری میں تھا اسی طرح آج بھی ہے۔

حضرت امام مالک کا یہ ارشاد سنتے ہی خلیفہ ابوجعفر منصور کی گردن فرط ادب سے جھک گئی۔ پھر اس نے حضرت امام مالک سے سوال کیا کہ حضور کے مواجہہ شریف میں دُعا کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کروں یا حضور کی طرف؟

marfat.com

فرمایا اس ہستی کی طرف سے اپنا منہ مت پھیریئے جو قیامت کے دن آپ اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ اس لیے آپ حضور ہی کی طرف مُنہ کر کے اُن سے شفاعت و سفارش طلب کیجیئے۔ کیونکہ خداوند قدوس نے انہی کی سفارش پر مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنّف کے یہ گرانقدر افادات ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب ان حضرات کے اعتقادات کو دیکھئے کہ حضرت امام مالک نے آواز بلند کرنے کے سلسلے میں سورۂ حجرات کی جن آیات سے استدلال کیا اس کے متعلق خلیفۂ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اور یُنَادُوْنَكَ کے معنی یہاں کیونکر صادق آتے ہیں۔

پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفۂ موصوف جاہل تھا بلکہ نہایت کامل العقل، اور فقیہ النفس عالم جید تھا۔ مگر امام مالک کے استدلال میں اس درجہ قوت تھی کہ خلیفہ ساکت و مبہوت رہ گیا۔

اگر اس زمانے میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو صدہا شاخسانے اس میں نکالے جائیں گے۔ دوسری طرف حضرت امام مالک کا مقام علم و فضل اتنا بلند ہے کہ ان کے شاگردوں کے شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر محدثین کو فخر ہے۔

اب اگر کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اس میں کچھ کلام کرے تو کسی مسلمان سے یہ نہ ہو سکے گا کہ معترض کی رائے کو امام مالک کی رائے پر ترجیح دے کیونکہ امام مالک وہ شخص ہیں کہ جن کے شاگردوں کا شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر محدثین کو فخر ہے۔ پھر اگر کوئی کثرت تصانیف کو پیش کر کے حضور کے بارے میں کوئی غلط دعویٰ کرے تو اس کا ابطال اُن احادیث شریفہ

marfat.com

سے ہو جائے گا جن میں خیر القرون ہونا اُس زمانے کا اور کم ہو جانا علم کے آخری زمانے میں وارد ہے۔

اور مسجد نبوی شریف کے آداب ہی کے سلسلے میں امام بخاری نے حضرت سائب ابن یزید سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ میں ایک بار مسجد نبوی شریف میں کھڑا تھا کہ مجھے کسی نے کنکری ماری میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ وہ سامنے جو دو آدمی بیٹھے ہیں انھیں میرے پاس بلا کر لاؤ۔ جب میں ان دونوں کو ان کے پاس لے گیا تو انھوں نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ فرمایا کہ اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔ تم حضور کی مسجد میں بلند آواز سے بات کرتے ہو۔ (ص ۲۵۱)

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنّف کے یہ گراں قدر تاثّرات ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مسجد شریف میں کوئی آواز بلند نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر کوئی کرتا تو مستحق تعزیر سمجھا جاتا۔ باوجودیکہ سائب ابن یزید چنداں دور نہ تھے لیکن اسی ادب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں پکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر انھیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام آداب اسی وجہ سے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیات ابدی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ لحاظ اگر صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو فی مَسْجِدِ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وسلّم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں) کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

marfat.com

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہلِ مدینہ کے لیے خاص فرمایا جنھیں مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے۔ اگر مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہلِ طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی تو مسجدیں تھیں۔ یہیں سے وہ بات بھی ثابت ہوگئی جو امام مالک نے خلیفہ منصور سے کہا تھا کہ حضور کی عزت و تکریم وصال شریف کے بعد بھی ویسی ہی فرض ہے جیسی حیاتِ ظاہری میں تھی۔ (ص ۲۵۱)

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا شیوۂ ادب

حضرت امام سیوطی نے تنزیہہ الانبیاء میں امام سبکی کی کتاب التشریح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی نے اپنی بعض تصانیف میں وہ واقعہ نقل کیا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک میں واقع ہوا تھا کہ کسی شریف عورت نے کچھ چرایا تھا اور حضور نے چوری کی سزا میں اس کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اس پر کسی صاحب نے حضور سے سفارش کی۔ اس موقع پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر فلاں عورت بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹنے کا حکم صادر کرتا۔

امام شافعی کے اندر بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت امام سبکی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں اس مقام پر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے اگر بعینہٖ حدیث نقل کر دیتے تو کوئی بے موقع بات نہیں تھی لیکن امام شافعی نے ازراہِ کمال ادب ان کا نام نہیں لیا بلکہ نام کی جگہ فلاں عورت کہا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ باوقار تبصرہ ملاحظہ فرمایئے ارشاد فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! کیا ادب تھا۔ حالانکہ الفاظ حدیث کو بعینہٖ

marfat.com

نقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور سیدہ کا نام مبارک جو حدیث میں وارد ہے وہ لَوْ (اگر) کے ساتھ ہے جس کا اطلاق کسی محال چیز پر بر سبیل فرض محال ہوتا ہے مگر بایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں وہ مقام توہین میں وارد تھا اس لیے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک کو صراحتہً ذکر کریں۔

سچ کہا ہے لوگوں نے کہ جو مقربین بارگاہ ہوتے ہیں اُنہی کو ادب نصیب ہوتا ہے ہر کس و ناکس میں یہ صلاحیت کہاں۔؟ (ص ۲۳۳)

حضرت ابوایوب سختیانی کا شیوۂ ادب

حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ کسی نے حضرت امام مالک سے پوچھا کہ ابوایوب سختیانی کا کیا حال تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے اساتذہ میں وہ سب سے افضل تھے۔ انھوں نے دو حج کئے اور میں دونوں بار ان کے ساتھ تھا سفر کے دوران جب بھی ان سے کسی حدیث کی روایت سنی تو حضور کے ساتھ ان کی والہانہ محبت کا یہ عالم دیکھا کہ جب وہ حضور کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ والہانہ کیفیت دیکھ کر میں نے ان کی شاگردی اختیار کر لی۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کی غیرت ایمانی کا یہ جلوہ ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

سبحان اللہ! وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہو جائے کہ بڑے بڑے معاصرین سے انھیں افضل بنا دے اور یہاں ہنوز اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف پڑا ہوا ہے بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ ذکر پاک کی مجالس ہی نہ منعقد ہوتے پائیں، ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کی برکتوں سے مسلمان فیضیاب ہوتے رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے؟ (ص ۲۴۷)

marfat.com

نام مبارک کی تعظیم کا حکم

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود با جود کی تعظیم و تکریم ایمان کا مقتضیٰ ہے اسی طرح حضور کے نام پاک کی تعظیم و توقیر کا بھی حکم وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ صاحب کنز العمال نے نام پاک کی تعظیم و تکریم سے متعلق پانچ حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی حدیث

حضرت بزار سے مروی ہے وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابو رافع سے انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اسے مارو مت اور اسے محروم نہ کرو۔

دوسری حدیث

حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اس کی تعظیم و توقیر کرو اور جب وہ مجلس میں پہنچ جائے تو اسے بیٹھنے کی جگہ دو۔

تیسری حدیث

حضرت دیلمی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اسے محروم مت کرو کیونکہ محمد کے نام میں برکت دی گئی ہے یہاں تک کہ اس گھر میں بھی برکت دی گئی ہے جس میں محمد نام کا کوئی شخص رہتا ہو۔

marfat.com

چوتھی حدیث

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم اپنے بچے کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور اُسے گالیاں بھی دیتے ہو۔

پانچویں حدیث

پانچویں حدیث بھی حضرت انس ہی سے مروی ہے جس میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم اپنے بچے کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور اُس پر لعنت بھی بھیجتے ہو۔

حضرت فاضل مصنف اِن پانچوں حدیثوں کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل یہ پانچوں روایتیں کنز العمال میں ہیں۔ ان تمام روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نام مبارک کی تعظیم و ادب کے ساتھ ساتھ نام والے کا بھی ادب و احترام کرنا چاہیئے۔ (ص ۳۶۵)

تعظیم نام محمد کا ایک ایمان افروز واقعہ

حضرت ابونعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں حضرت وہب ابن منبہؒ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نہایت بدکار شخص تھا۔ اس نے سو برس تک خدا کی ایسی ایسی نافرمانی کی اور خدا کی مخلوق پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کے ظلم و شقاوت اور بدکاریوں کی وجہ سے اسے اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ اسے عزت و اکرام کے ساتھ دفن کریں۔ چنانچہ نہایت حقارت و ناقدری کے ساتھ لوگوں نے اس کی لاش کو ایک کوڑے خانے پر لاکر پھینک دیا جہاں گاؤں بھر کی نجاست و غلاظت ڈالی جاتی تھی۔

وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ خداوند ذوالجلال کی طرف سے انھیں حکم صادر ہوا کہ فلاں گاؤں کے کوڑے خانے پر ایک شخص کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اُسے

marfat.com

وہاں سے اُٹھا کر عزّت و تکریم کے ساتھ فوراً کسی قبرستان میں دفن کرو۔

وہاں پہنچنے کے بعد جب لوگوں کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس شخص کی سیہ کاریوں اور ظلم و شقاوت کی تفصیل معلوم ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند قدوس کی جناب میں عرضی پیش کی کہ گاؤں کے سارے لوگ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ شخص سو برس کی طویل مدّت تک تیری نافرمانی کرتا رہا یہ اپنے زمانے کا بدترین شخص تھا یہ کسی عزّت و تکریم کے لائق نہیں ہے۔ ارشادِ خداوندی ہوا لوگ سچ کہتے ہیں لیکن اس کی صرف ایک خوبی کی وجہ سے میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیئے اور جنّت کی ستّر حوروں کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔

وہ خوبی یہ تھی کہ جب بھی وہ توراۃ کھولتا تو نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتا آنکھوں سے لگاتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عنایت بیکراں پر حیران رہ گئے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر کلمات ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

اگر اُس ادب کی وقعت کا خیال کیا جائے تو حق تعالیٰ کو غضب میں لانے والے عمر بھر کے اعمال پر سبقت کر کے سب کو بخشوا لینا اسی کا کام تھا۔

غرض کہ جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گزشتہ اُمّت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرے تو ہم خاص غلاموں کو اس سے کس قدر توقع ہو گی۔ اس پر بھی اگر نام مبارک کو دیکھ کر اور سُن کر کبھی بوسہ نہ لیں تو اتنا ضرور چاہیئے کہ حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کریں۔ (ص ۲۶۶)

marfat.com

مسئلہ

نام پاک سُن کر انگوٹھا چُومنے کی بحث

نام پاک سُن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کے مستحب ہونے پر حضرت فاضل مصنف کی یہ ایمان افروز بحث دل کی گہرائی سے پڑھیئے کہ وہ بیماروں کی شفایابی اور صحت مندوں کی تقویت کا باعث ہے۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے:

(۱)

تفسیر روح البیان میں قہستانی، شرح کبیر، محیط اور قوت القلوب وغیرہ سے نقل کیا کہ جب مؤذن پہلی بار اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے تو سننے والوں کو چاہیئے کہ وہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہیں۔ اور جب دوسری بار اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه۔ کہے تو سننے والوں کو چاہیئے کہ انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہنے کے بعد اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ۔ پڑھیں۔

اور محیط میں لکھا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک مؤذن سے سن کر انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے۔ اور مضمرات میں لکھا ہے کہ جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام نور محمدی کی زیارت کے مشتاق ہوئے تو حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کے نور کو ان کے دونوں ناخنوں

marfat.com

میں جلوہ گر فرما دیا اور انھوں نے انھیں بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملا۔ اور ان کی یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی۔

پھر جبریل علیہ السلام نے جب یہ قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور انگوٹھوں پر بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملے تو کبھی اندھا نہ ہوگا۔

(۲)

امام سخاوی نے اپنی کتاب مقاصد حسنہ میں دیلمی کی مسند الفردوس سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت کریمہ تھی کہ جب وہ مؤذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سنتے تو اس کے جواب میں ارشاد فرماتے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا۔ اس کے بعد کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصے پر بوسہ دیتے اور انھیں اپنی آنکھوں سے لگاتے۔

اور کہا راوی نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا نام سُن کر جیسا کہ میرے دوست ابوبکر نے کیا ویسا جو بھی کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گی۔ اور اسی طرح کی حدیث حضرت ابوالعباس احمد بن ابی بکر الرواد نے اپنی کتاب موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ میں حضرت خضر علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ جو شخص مؤذن کے کلمہ شہادت کے جواب میں کہے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرْحَبًا بِحَبِيْبِيْ وَقُرَّةِ عَيْنِيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ پھر اپنے انگوٹھوں کو بوسہ دے اور انھیں اپنی آنکھوں پر رکھے تو وہ کبھی آنکھوں کی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔

پھر روایت کی ابوالعباس نے اپنے بھائی فقیہ محمد ابن البا سے کہ

marfat.com

ایک بار سخت ہوا چلی جس سے ایک چھوٹی سی کنکری ان کی آنکھ میں پڑ گئی۔ بہت کوشش کے باوجود کنکری آنکھ سے نہ نکل سکی یہاں تک کہ جب آنکھ دکھنے لگی تو مؤذن سے کلمۂ اذان سن کر حدیث پر عمل کیا فوراً ہی کنکری نکل آئی۔ رواۃ کہتے ہیں کہ یہ بات حضور کی بڑی بڑی فضیلتوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

یہاں تک مقاصد حسنہ کی عبارت تھی اب مصنف کتاب کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

الحاصل دین و دنیا میں ادب کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا۔ یقیناً اس کے دین میں کہیں نہ کہیں رخنہ ضرور ہوگا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابلے میں یہ گستاخانہ جملہ کہا تھا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ میں اس سے بہتر ہوں اور جس کے نتیجے میں وہ مردود بارگاہ کبریائی ہوا، اسی وقت سے اولاد آدم کی عداوت اس کے دل میں جم گئی اور باپ کا انتقام اولاد سے لینے کے لیے مختلف قسم کی تدبیر اس نے سوچی۔

مگر اس غرض کے لیے وہی تدبیر اسے سب سے بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی اور بے ادبی مردود بارگاہ بنانے میں زبردست اثر رکھتی ہے۔ اس لیے اس نے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کی عام تعلیم شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہتے رہے کہ تم ہماری ہی طرح ایک بشر ہو۔

گہرائی میں اتر کر سوچیے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ میں تھی۔ اگر کسی قدر فرق ہے تو تابع اور متبوع کی ہمتوں

marfat.com

میں ہے۔ (ص ۲۷۵)

ان کی عبارت کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔
ارشاد فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام نے ہزار ہا معجزے دکھائے مگر کفار کے دلوں میں ان کی عظمت اس نے جمنے نہ دی۔ پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت کو مان لیا اور مسلمان ہو گئے ان سے کسی قدر اسے مایوسی ہوئی کیونکہ ان سے تو وہ بے باکی نہیں ہو سکتی تھی جو کفار سے ظہور میں آئی۔

اب بہت غور و فکر کے بعد مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اس نے بے ادبی کا دروازہ کھولا اور بے ادبی کو راست گوئی کا نام دیا۔ اب کیسی ہی ناشائستہ بات کیوں نہ ہو اس لباس میں آراستہ کر کے احمقوں کے دماغ میں اتار دیتا ہے۔ اور کچھ ایسا بے وقوف بنا دیتا ہے کہ راست گوئی کی دھن میں نہ ان کو کسی بزرگ کی حرمت و توقیر کا خیال رہتا ہے اور نہ اپنے انجام کا اندیشہ۔ (ص ۲۷۵)

marfat.com

تاریخ فتنۂ وہابیت

حضرت فاضل مصنف نے احادیث کی روشنی میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس فتنہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جس احساس کے تحت انھوں نے اس بحث کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے اس فتنہ کی کھول کھول کر نشاندہی فرمائی ہے اور احادیث کی کتابیں اُن روایات سے بھری پڑی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے چھپایا جائے۔ اس لیے علم کی دیانتداری کا تقاضا ہے کہ اُسے عوام کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ رکھ دیا جائے تاکہ اپنے آپ کو وہ اس فتنہ کی زد سے بچانا چاہیں تو بچا سکیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے انھوں نے بخاری شریف کی وہ حدیث نقل کی ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور انور اموال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نام کا ایک شخص جو قبیلۂ بنو تمیم سے تعلق رکھتا تھا حضور کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور نہایت گستاخانہ جسارت کے ساتھ کہنے لگا کہ آپ انصاف سے مال غنیمت تقسیم کیجیے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گستاخانہ جملے پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں انصاف نہ کروں تو اس دنیا میں کون انصاف کرنے والا ہے؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو یقیناً تو محروم و نامراد ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی یہ گستاخی برداشت نہ ہو سکی۔ وہ

marfat.com

فرط غضب میں اپنی تلوار بے نیام کر کے کھڑے ہو گئے اور حضور سے اجازت چاہی کہ میں اس گستاخ کا سر قلم کر دوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دو یہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کی نسل سے ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہو گا جو ایسی نمازیں پڑھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار کو چھیدتا ہوا تیر نکل جاتا ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت سے کنز العمال میں بھی نقل کی گئی ہے۔ جس میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ اس گروہ کی علامت سر منڈانا ہے۔ اور یہ گروہ روپ بدل بدل کر نکلتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔ وہ لوگ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں۔

اب حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ پڑھئے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت عابد تھا کہ کثرت صلوٰۃ سے اس کی پیشانی میں گٹہ پڑ گیا تھا۔ ان احادیث میں تامل کرنے کے بعد ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ باوجود کثرت عبادت اور ریاضت شاقہ کے وہ شخص اور اس کے ہم خیال بدترین مخلوقات ٹھہرے وجہ اس کی سوائے بے ادبی اور طبعی گستاخی کے اور کوئی نہیں نکلے گی۔ (انوار احمدی ص۲۸۰)

اسی مضمون کی تیسری حدیث حضرت امام احمد، طبرانی اور حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن اُن کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔

marfat.com

جب ایک سینگ کاٹی جائے گی تو دوسری سینگ نکل آئے گی یعنی جب ایک فرقے کا نام ونشان مٹ جائے گا تو دوسرا فرقہ ظہور کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنّف کا یہ بیان چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خوارج بھی مشرق ہی کی طرف سے نکلے اور وہابی بھی مشرق ہی کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ غالباً یہ وہی فرقہ ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (انوار احمدی ص۳۰۷)

وہ حدیث یہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے ملک شام اور ملک یمن میں برکت دے۔ اس موقعہ پر ملک نجد کے لوگ بھی موجود تھے، انھوں نے درخواست کی کہ یارسول اللہ ہمارے نجد کے بارے میں بھی برکت کی دُعا فرمائیں۔ حضور نے پھر ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں برکت کی دعا فرمائی جب دوسری بار پھر نجد کے لوگوں نے اصرار کیا تو حضور نے حقیقت کے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور ارشاد فرمایا کہ: وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے اور وہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ حقیقت افروز تبصرہ پڑھیے۔

اس حدیث شریف سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ نجد سے فتنے برپا ہوں گے۔ اور اوپر کی حدیث میں گزرا کہ وہ لوگ مشرق سے نکلیں گے اگرچہ مشرق عام ہے کہ ہندوستان بھی مدینہ طیبہ کے مشرق ہی میں واقع ہے لیکن مدینہ شریف کے عوام اور خواص نجد ہی کو شرق اور وہابیوں کو شرقی کہا کرتے ہیں جن کی اقامت ملک نجد

marfat.com

یں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ان حدیثوں سے وہابیوں کا فتنہ مراد ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چند علامتیں بیان فرمائی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ مشرق سے نکلیں گے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور دوسری یہ کہ وہ بات نہایت ہی عمدہ کہیں گے۔ اور ایک علامت یہ ہے کہ ان کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد کوئی وہاں سے واپس نہیں لوٹے گا۔ (انوار احمدی ص ۳۱۱)

اس مضمون کی متعدد حدیثیں نقل کرنے کے بعد حضرت موصوف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ مسلمانوں کو چونکا دینے کے لیے کافی ہے۔ مسافروں کے راستے کے سنگین خطرات سے باخبر کرنے والا دشمن نہیں ہوتا، یہاں مسلمانوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جان سے زیادہ قیمت ایمان کی ہے کیونکہ جان اگر ضائع ہو جائے تو مرنے کے بعد پھر مل جائے گی لیکن ایمان ضائع ہو گیا تو دوبارہ اس کا حصول ناممکن ہے۔ اسی بنیاد کو سامنے رکھ کر حضرت فاضل مصنف کا یہ تبصرہ پڑھئے۔

اس میں شک نہیں کہ کوئی باطنی خرابی اس فرقہ میں ضرور ہے جس کی وجہ سے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین سے نکل جانے کے بعد پھر وہ دین میں پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ مگر بظاہر ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حمایت توحید اور دفع شرک و بدعت کے غرور میں یہ لوگ محبوبان بارگاہِ الٰہی کی نہ صرف توہین کرتے ہیں بلکہ اصول دین کی طرح دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیتے ہیں جس کی وجہ سے غیرتِ الٰہی انھیں اپنے غضب کا نشانہ بناتی ہے۔ (انوار احمدی ص ۳۱۱)

اس فرقے کا بانی محمد ابن عبدالوہاب نجدی ہے۔ ذوالخویصرہ نام کا مشہور گستاخ جس کا ذکر کئی حدیثوں میں آیا ہے، وہ قبیلۂ بنی تمیم سے تھا۔ اور ابن عبدالوہاب بھی تمیمی ہے۔ فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ اسی کی نسل سے ہو

marfat.com

اس فرقے کی ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ نہایت التزام کے ساتھ اپنے سر کے بال منڈوائیں گے۔ حضرت فاضل مصنف نے شیخ عبدالرحمٰن اہرل مفتی زبید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی کی حقیقت سمجھنے کے لیے وہ نشانی بہت کافی ہے جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ سر منڈوایا کریں گے۔ اس فرقہ کی جتنی علامتیں بیان کی گئی ہیں انھیں حالات وواقعات پر منطبق کرنے کے بعد حضرت فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں :

علامات مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم فرقۂ وہابیہ کے نکلنے کی خبر دے چکے ہیں اور جو علامتیں حضور نے بیان کی ہیں وہ سب ان میں پائی گئی ہیں۔ ان احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ حضرت علامہ زینی دحلان مکی کی مستند کتاب " الدرر السنیہ" میں اور بھی بہت سی علامتیں اس گروہ کی مذکور ہیں۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ فرقۂ وہابیہ خوارج کی ایک شاخ ہے۔ مگر اس وجہ سے کہ نئے طور پر اس کا خروج ہوا اس لیے اس کا نام جداگانہ قرار پایا اور وہ فرقہ اپنے بانی کی طرف منسوب ہوا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہتے ہیں مگر محتاط علماء نے جب دیکھا کہ عوام الناس انھیں ضرور برا بھلا کہیں گے اور اس میں حضور کے نام مبارک کے لفظ کی توہین ہوگی اس لیے وہ وہابی کے نام سے موسوم کر دیئے گئے۔

(انوار احمدی ص ۳۱۴)

بانیٔ فرقۂ وہابیہ کے مظالم

اب اس فرقۂ وہابیہ کے بانی اور اس کے ساتھیوں نے اہلِ حق پر جو مظالم ڈھائے ہیں اور منصب رسالت کی تنقیص کر کے اہلِ اسلام کی جو دل آزاریاں کی ہیں، ان کی تفصیلات فاضل مصنف کے قلم سے پڑھیے۔ کلیجہ تڑپے گا، آنکھوں سے

marfat.com

لہو کی بوند ٹپکے گی، جذبۂ عقیدت مجروح ہوگا اور فرط غضب سے دل کا عالم زیروزبر ہونے لگے گا لیکن یہ پوری کہانی صبر وضبط کے ساتھ آپ کو پڑھنی ہے تاکہ رسول دشمنی کے کردار سے آپ پوری طرح واقف ہوجائیں۔ فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

"خوارج کی طرح اس فرقہ کو بھی عمل میں نہایت غلو تھا۔ یہاں تک کہ تارک فرض کو یہ لوگ کافر اور حلال الدم سمجھتے تھے۔ عقیدۂ توحید میں وہ اس قدر متشدد تھے کہ یارسول اللہ کہنے والے اور بزرگوں سے مدد مانگنے والے کو یہ لوگ کافر سمجھتے تھے۔

"ابن عبدالوہاب ہر جمعہ کے خطبہ میں کہا کرتا کہ جو شخص نبی کا وسیلہ پکڑے وہ کافر ہے۔ اور زیارت قبور کو وہ ناجائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک قافلہ مقام احسا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک کی زیارت کی غرض سے مدینہ طیبہ حاضر ہوا، واپسی کے وقت جب وہ قافلہ "درعیہ" پہنچا جہاں ابن عبدالوہاب کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس نے ان لوگوں کی یہ سزا مقرر کی کہ ان کی ڈاڑھیاں مُنڈوائی جائیں اور گدھوں پر اس رسوائی کے ساتھ انھیں سوار کرایا جائے کہ ان کا مُنہ دُم کی طرف ہو۔ تاکہ اس بات کی اچھی طرح تشہیر ہوجائے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جائے اس کی یہ سزا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بدعت سے ان لوگوں کو اس قدر اجتناب تھا کہ دلائل الخیرات شریف کی سینکڑوں جلدیں جلا دی گئیں۔ ایک نابینا شخص مسجد کے مینارے پر کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتا تھا اسے قتل کرا دیا گیا۔

ابن عبدالوہاب کہتا تھا کہ جمعہ کی رات اور دن میں جو شخص درود پڑھتا ہے وہ دوزخی ہے۔ جو حضور کے نام پاک کے ساتھ سیدنا کا

marfat.com

لفظ لگاتا ہے وہ کافر ہے۔ کبھی کہتا کہ مجھے قدرت ملی تو میں گنبد خضرا کو ڈھادوں گا۔ وہ کہتا تھا کہ میری لاٹھی حضور سے بہتر ہے کہ اس سے میرا کام نکلتا ہے۔"

(انوار احمدی ص ۳۱۶)

ایک انتہائی عبرتناک واقعہ

مُصَنَّف ابن ابی شیبہ، کے نام سے حدیث کی ایک نہایت مستند کتاب ہے اس میں حضرت ابوطفیل کی روایت سے ایک نہایت عبرت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اسے چشم بصیرت سے پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ بدعقیدوں کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر دین و ایمان کی برکتوں پر کیا پڑتا ہے؟

راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جب حضور کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا تو حضور نے اُسے دُعا دی اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی پر اتنے خوبصورت بال اُگ آئے جو تمام بالوں سے ممتاز تھے۔

جب وہ لڑکا جوان ہوا اور اُن خوارج کا زمانہ آیا جن کی بدعقیدگی اور گستاخی بہت ساری حدیثوں میں مذکور ہے۔ آج کی تبلیغی جماعت کی طرح اس وقت کے خارجی بھی طرح طرح کی ترغیب دے کر نوجوانوں کو اپنی جماعت میں شامل کرتے تھے۔ بدقسمتی سے وہ نوجوان بھی ان کے بہکاوے میں آگیا اور ان کی جماعت میں شامل ہوگیا۔ یہاں تک اس کے دل میں ان کی محبت گھر کر گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی کے سارے بال جھڑ گئے۔

اس کے باپ نے جب بیٹے کا یہ حال دیکھا تو اسے گھر میں قید کر دیا، حضرت ابوالطفیل فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اس نوجوان کے پاس گئے اور اسے سمجھایا کہ ان کی صحبت کی نحوست کا اثر تم نے دیکھ لیا کہ

marfat.com

رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تمہاری پیشانی سے جاتی رہی۔ فرماتے ہیں کہ جب تک اس نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا ہم اُسے ہر طرح سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے دل سے ان کی محبت نکل گئی اور ان کے عقائد سے اس نے توبہ کر لی تو دست مبارک کی وہی نشانی پھر اس کی پیشانی میں حق تعالیٰ نے پیدا کر دی۔

(انوار احمدی ص۳۰۴)

اس واقعہ پر فاضل مصنف کا تبصرہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث سے کئی امور مستنبط اور ثابت ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگ گیا اس مقام کو ہمیشہ کے لیے ایک خصوصیت اور برکت حاصل ہو گئی۔

دوسرا یہ کہ ان برکتوں کے ظہور کے لیے وہی لوگ خاص کئے جاتے تھے جو برگزیدہ ہوں پھر جہاں ان میں کسی قسم کی خرابی آگئی وہ برکت جاتی رہی تاکہ طالبانِ حق کو اس سے عبرت حاصل ہو۔ نیز اس طرح کا فیض انہی لوگوں کو حاصل ہو سکتا تھا جو اہلِ حق ہوں اہل باطل اس سعادت سے محروم رہتے تھے۔

تیسرا یہ کہ جس کو آنحضرت نے ازراہ شفقت دستِ مبارک لگا دیا عقائد باطلہ کا اثر اس کے دل میں راسخ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ باطل عقائد اس کے دل میں راسخ نہیں ہوئے تھے اسی لیے اُسے توبہ نصیب ہوئی ورنہ احادیث کی صراحتوں کے مطابق باطل فرقے کا اثر جس کے دل پر جم جاتا ہے وہ کبھی راہ راست پر نہیں آسکتا۔

(انوار احمدی ص۳۰۵)

marfat.com

ہندوستان میں وہابی فرقے کی نشاندہی

پچھلے اوراق میں حضرت فاضل مصنف کے قلم سے وہابی فرقے کی تاریخ آپ پڑھ چکے۔ کئی صفحات پر پھیلی ہوئی بحث کے مطالعے سے اتنی آگہی تو آپ کو ضرور ہو گئی ہوگی کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک ایک باطل اور گستاخ فرقہ روپ اور نام بدل بدل کر ہر زمانے میں موجود رہا ہے جانب مشرق یعنی نجد سے جس فتنے کے ظہور کی حضور نے خبر دی ہے یہ خبر غلط نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ایک مخبر صادق کی خبر ہے۔ اس لیے آپ کا ایمانی فریضہ ہے کہ اُس گروہ کو آپ تلاش کریں، علامتوں کے ذریعے اسے پہچانیں اور اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

ہندوستان میں وہابی مسلک کے علمبرداروں کی نشاندہی کے سلسلے میں بجائے اس کے کہ ہم کوئی بات اپنی طرف سے کہیں انہی حضرات کا اقراری بیان ہم اس کتاب کے قارئین کے سامنے رکھ دینا چاہتے ہیں۔

پہلا اقراری بیان

دیوبندی جماعت کے مقتدر پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ جن دنوں تھانوی صاحب کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ محلے کی چند عورتیں فاتحہ کرانے کے لیے مٹھائی لے کر مدرسہ میں آئیں۔ تھانوی صاحب کے طلبہ نے فاتحہ دینے کے بجائے مٹھائی لے کر خود کھالی۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ تھانوی صاحب کو خبر ہوئی تو وہ آئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی! یہاں "وہابی" رہتے ہیں یہاں فاتحہ نیاز کے لیے کچھ مت لایا کرو۔"

(اشرف السوانح ج ۱ ص ۴۵)

دوسرا اقراری بیان

دیوبندی جماعت کے دوسرے مقتدر پیشوا مولانا رشید احمد گنگوہی اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

marfat.com

محمد ابن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ اُن کے عقائد عمدہ تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱)

تیسرا اقراری بیان

تبلیغی جماعت کے مرکزی قائدین میں مولانا زکریا شیخ الحدیث سہارنپور، مولانا ابوالحسن علی ندوی، اور مولانا منظور نعمانی کے نام سرورق پر ہیں:

"سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی" نامی کتاب جو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں مولانا منظور نعمانی، مولانا الیاس کے مرض الموت میں ان کی جانشینی کے مسئلے پر اپنی بے چینیوں کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پس دیوار کا راز فاش کرنے والی یہ کہانی پوری توجہ کے ساتھ پڑھئے:

"ایک رات کو اس ناچیز اور رفیق محترم مولانا علی میاں نے اس بارے میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا۔ اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں دعوتی کام کے مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت سے تعلق رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاءاللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا۔

اور ایسی شخصیت اس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کی تھی۔"

(سوانح محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۹۰)

اس کے بعد اپنے بیان کے مطابق اگلے دن صبح کے وقت نعمانی صاحب نے مولانا زکریا سے ملاقات کی اور اُن کے سامنے اپنے ساتھیوں کی یہ تجویز رکھی کہ وہ تبلیغی جماعت کے امیر کی حیثیت سے مرکز میں اپنا قیام منظور فرمائیں۔ اس سلسلے میں نعمانی صاحب اپنی گفتگو کا ایک نہایت اہم حصہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس پورے واقعہ میں ان کی گفتگو کا یہی حصہ میری تحریر کا اصل مدعا ہے۔

marfat.com

اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو تھوڑے ہی دنوں بعد یہ سارا مجمع منتشر ہو جائے گا اور ہم خود اپنے بارے میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ "ہم بڑے سخت وہابی ہیں" ہمارے لیے اس بات میں کوئی خاص کشش نہ ہوگی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے۔ یہ مسجد ہے جس میں حضرت نماز پڑھتے تھے، یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے۔

(سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص۱۹۲)

چوتھا اقراری بیان

اب ذیل میں مولانا زکریا کا جواب ملاحظہ فرمائیں انھوں نے کہا کہ:

اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم سب مل کر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا۔ اور اگر کسی اور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اس کو دیکھ لو گے اور میں بھی دیکھ لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا۔ بس انتظار کرو! اللہ سے دعا کرو!

اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب "میں خود تم سے بڑا وہابی ہوں"، تمہیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ اور در و دیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔"

(سوانح مولانا محمد یوسف ص۱۹۳)

تھانوی صاحب سے لے کر مولانا منظور نعمانی، اور مولانا زکریا تک تبلیغی جماعت کے سارے قائدین کا یہ اقراری بیان آپ کے سامنے ہے کہ "ہم وہابی ہیں"۔ میں بڑا سخت وہابی ہوں" "میں تم سے بڑا وہابی ہوں"۔ کوئی دوسرا ان کے بارے میں یہ کہتا تو الزام سمجھا جاتا لیکن خود اپنے اقرار کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعۃً یہ حضرات "وہابی" ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ اقرار انھوں نے اپنی

marfat.com

نجی گفتگو اور تنہائی کی ملاقات میں کیا ہے اس لیے اُسے کسی اور معنیٰ پر محمول کرنے کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ——— واضح رہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی صراحت کے مطابق ابن عبدالوہاب نجدی کی پیروی کرنے والوں کو "وہابی" کہتے ہیں۔

اتنی مضبوط اور ٹھوس شہادتوں کے بعد اب آپ کو انگلی اٹھا کر دکھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہابی کون ہے؟ اور کون طبقہ وہابی مذہب کے خلاف سینہ سپر ہے؟ اپنے نبی کے ساتھ آپ کے دل کا رشتہ اگر صحیح ہے تو آپ کے لیے یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ آپ کس کے ساتھ ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ

marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل ۸۹)

اور ہم نے آپ پر اِس کتاب کو نازل کیا ہے جو چیز کا روشن بیان ہے،

سات ضخیم جلدوں میں شرح صحیح مسلم کی تکمیل اور عالم گیر مقبولیت اور شان دار پذیرائی کے بعد

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی عم فیوضہٗ کی ایک اور فکر انگیز اور علمی تصنیف

قرآن مجید کی تفسیر بہ نام

تبیان القرآن

اہل علم اور اربابِ ذوق کی تسکین کے لیے اِنْ شاءَ اللہ عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے

چند خصوصیات

★ قرآن مجید کا سلیس اور با محاورہ ترجمہ اور آسان اردو میں قرآن کریم کی تشریح،

★ احادیث، آثار اور اقوال تابعین پر مبنی قرآنی آیات کی تشریح،

★ قرآن مجید کی آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، جلالت اور آپ کی خصوصیات کا استنباط،

★ عقائد اسلامیہ میں عقائد اہل سنت کی حقانیت اور فقہی مذاہب میں فقہ حنفی کی ترجیح،

★ مفسرین کی چودہ سو سالہ کاوشوں کا حاصل، مجتہدین کی آرا پر نقد و تبصرہ اور تصوف کی چاشنی،

★ مشکلاتِ اعرابِ قرآن کا حل، عصری مسائل پر محققانہ ابحاث اور مذاہبِ باطلہ کا مہذب رد،

یہ ایک ایسی تفسیر ہوگی جس کی مدتوں سے اہلِ ذوق کو تلاش اور پیاس تھی جس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت صدیوں تک باقی رہے گی۔

پیش کش: فرید بک سٹال
۳۸- اردو بازار، لاہور

marfat.com